٧٨٦

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

عکسی حکایاتِ صحابہ رض

یعنی

سچّی کہانیاں

جس میں

حضرت مولانا الحافظ الحاج المحدّث محمد زکریا صاحب مدظلہ
شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے

حضرت مولانا الحافظ الحاج شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

کے ارشاد سے

صحابی مردوں صحابی عورتوں صحابی بچوں کے زہد و تقویٰ، فقر و عبادت علمی مشاغل، ایثار و ہمدردی، بےمثل جرأت و بہادری، حیرت انگیز جاں نثاری وغیرہ وغیرہ کے ایمان افروز حالات بیان کئے ہیں؛

ناشر

مکتبہ رشیدیہ قاری منزل مراسٹریٹ پاکستان چوک کراچی؛

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

فہرست مضامین "حکایاتِ صحابہؓ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ واتباعہ الحماۃ للدین القویم ؕ

امابعد اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مربی و محسن کا ارشاد ۵۳ھ میں ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چند قصے بالخصوص کم سن صحابہ اور عورتوں کی دینداری کی کچھ حالت اُردو میں لکھی جائے تاکہ جو لوگ قصوں کے شوقین ہیں وہ واہی تباہی جھوٹی حکایات کے بجائے اگر ان کو دیکھیں تو اُن کیلئے دینی ترقی کا سبب ہو، اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کے بجائے اِن کو سُنائیں تو بچوں کے دل میں صحابہؓ کی محبت اور عظمت کیساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو میرے لئے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہوئے ہونیکے علاوہ اللہ والوں کی خوشنودی دو جہان میں فلاح کا سبب ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود اپنی کم مائگی سے یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کرسکتا ہوں اس لئے چار برس تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا، اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کیلئے دماغی کام سے روک دیا گیا، تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذار دوں کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے،

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصے، ان کے حالات یقیناً اس قابل ہیں کہ انکی تحقیق اور تفتیش کی جائے، اور ان سے سبق حاصل کیا جائے بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت جس کو اللہ جل شانہ، نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسولؐ کی مصاحبت کیلئے چُنا اس کی مستحق ہی کہ اس کا اتباع کیا جائے اسکے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہی، صوفیا کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہی کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہی جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہی، کسی نے دریافت کیا کہ اسکی کوئی دلیل بھی ہی؟ فرمایا ہاں اللہ جل شانہ، کا ارشاد ہے:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

"اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جنکے ذریعہ سے ہم آپکے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپکے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہی جو خود بھی راست اور واقعی ہی اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے، (اور اچھے کام کرنیکی) یاددہانی ہی (بیان القرآن)

ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جما لینے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہوں، یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا معتبر لوگوں کے وعظ و ارشادات، یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جاوے، بلکہ اپنی حالت اور استعداد کے موافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیے، ابو سلیمان دارانی ایک بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک واعظ کی مجلس میں حاضر ہوا، انکے وعظ نے میرے دل پر اثر کیا، مگر جب وعظ ختم ہوا تو وہ اثر بھی ختم ہو گیا، میں دوبارہ اُن کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس وعظ کا اثر فارغ ہونیکے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا، تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا تو اس کا اثر گھر میں پہنچنے پر بھی رہا، میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے سب توڑ دیئے، اور اللہ کا راستہ اختیار کیا، اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سرسری طور پر ایک مرتبہ انکے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے، اس لئے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہئے، پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کے دلنشین ہونیکے خیال سے میں نے اس رسالہ کو بارہؔ بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے :-

پہلا باب ، دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقت کا جھیلنا،

دوسرا باب، اللہ جل جلالہ کا خوف اور ڈر جو صحابۂ کرامؓ کی خاص عادت تھی،

تیسرا باب ، صحابہؓ کی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کا نمونہ،

چوتھا باب ، صحابہؓ کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی حالت،

پانچواں باب ، نماز کا شوق اور اس کا اہتمام ،

چھٹا باب ، ہمدردی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا،

ساتواں باب، بہادری و دلیری اور ہمت و شجاعت اور موت کا شوق،

آٹھواں باب، علمی مشاغل اور علمی انہماک کا نمونہ،

نواں باب ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل،

دسواں باب، عورتوں کا دینی جذبہ اور بہادری اور حضورؐ کی بیبیوں اور اولاد کا بیان،

گیارہواں باب، بچوں کا دینی ولولہ اور بچپن میں دین کا اہتمام،

بارہواں باب، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا نمونہ،

خاتمہ ، صحابہؓ کے حقوق اور ان کے مختصر فضائل،

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکلیف کا جھیلنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقّتیں برداشت کی ہیں اُن کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دشوار ہے، تاریخ کی کتابیں ان واقعات سے بھری ہوئی ہیں، مگر اُن پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا ہم ان کے معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے، اس باب میں چند قصّوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرنا ہے، ان میں سب سے پہلے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قصہ سے ابتداء کرتا ہوں، کہ حضورؐ کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے سفر کا قصہ

(۱) نبوت مل جانے کے بعد نَو برس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے، اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے، لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا جو مسلمان ہوگئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپکی مدد کرتے تھے اکثر کفارِ مکہ آپکو اور آپکے صحابہؓ کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، مذاق اُڑاتے تھے، اور جو ہو سکتا تھا اس سے درگزر نہ کرتے تھے، حضورؐ کے چچا ابو طالب بھی انہی نیک دل لوگوں میں تھے جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضورؐ کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے، دسویں سال میں جب ابو طالب کا بھی انتقال ہوگیا تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مہار اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانیکا موقع ملا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے طائف تشریف لیگئے کہ وہاں قبیلہ ثقیف کی بڑی جماعت ہے اگر وہ قبیلہ مسلمان ہوجائے تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے، وہاں پہنچکر قبیلہ کے تین سرداروں سے جو بڑے درجہ کے سمجھے جاتے تھے گفتگو فرمائی، اور اللہ کے دین کی طرف بلایا، اور اللہ کے رسولؐ کی یعنی اپنی مدد کی طرف متوجّہ کیا، مگر ان لوگوں نے بجائے اسکے کہ دین کی بات کو قبول کرتے یا کم سے کم عرب کی مشہور مہمان نوازی کے لحاظ سے ایک نووارد مہمان کی خاطر مدارات کرتے صاف جواب دیدیا، اور نہایت بے رخی اور بد اخلاقی سے پیش آئے۔ ان لوگوں نے یہ بھی

گوارا نہ کیا کہ آپ یہاں قیام فرمالیں، جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہونگے، اور مہذب گفتگو کرینگے، ان میں سے ایک شخص بولا کہ او ہو آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے، دوسرا بولا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا جسکو رسول بنا کر بھیجے، تیسرے نے کہا میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا اسلئے کہ اگر تو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے تو تیری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے تو میں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا، اس کے بعد ان لوگوں سے ناامید ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ تو ہمت اور استقلال کے پہاڑ تھے، مگر کسی نے بھی قبول نہ کیا بلکہ بجائے قبول کرنیکے حضورؐ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن سے بالکل مایوس ہو کر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں حتیٰ کہ آپکے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں واپس ہوئے جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضورؐ نے یہ دعا مانگی:۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا

اے اللہ تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی، اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے، اور تو ہی میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے، کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھکر ترش رُو ہوتا ہے اور مُنہ چڑھاتا ہے، یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا، اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور

قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، کذا فی سیرۃ ابن ھشام قلت واختلفت الروایات فی الفاظ الدعاء کما فی قرۃ العیون،

آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت "

مالک الملک کی شانِ قہاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور انکے جوابات سنے، اور ایک فرشتہ کو جسکے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپکے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں، اسکے بعد اس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو میں اسکی تعمیل کروں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملادوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں، یا اور جو سزا آپ تجویز فرمائیں، حضورؐ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اسکی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اس کی عبادت کریں،

فائدہ:۔ یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے جسکے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے کسی کی معمولی گالی دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اس پر کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اپنے محمدی ہونیکا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ بد دعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں،

قصہ حضرت انس بن نضرؓ کی شہادت کا

(۲) حضرت انس بن نضرؓ ایک صحابی تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کو اس چیز کا صدمہ تھا، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے، کہ اسلام کی پہلی عظیم الشان لڑائی اور تو اس میں شریک نہ ہو سکا، اسکی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں، اتفاق سے اُحد کی لڑائی پیش آ گئی جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے، اُحد کی لڑائی میں اوّل اوّل تو مسلمانوں کو فتح ہوئی، مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی وہ غلطی یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے میں نہ کہوں اس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنیکا اندیشہ تھا، جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی تو کافروں کو بھاگتا ہوا

دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہو چکی اس لئے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جاوے اور غنیمت کا مال حاصل کیا جاوے، اس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضورؐ کی ممانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو، مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضورؐ کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہونچ گئے، بھاگتے ہوئے کافروں نے اس جگہ کو خالی دیکھ کر اس طرف سے آکر حملہ کر دیا مسلمان بیفکر تھے، اس اچانک بیخبری کے حملہ سے مغلوب ہو گئے، اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آگئے، جس کی وجہ سے اِدھر اُدھر پریشان بھاگ رہے تھے، حضرت انسؓ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذؓ آرہے ہیں، اُن سے کہا کہ اے سعد کہاں جا رہے ہو خدا کی قسم جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آرہی ہے، یہ کہکر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہجوم میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہو گئے واپس نہیں ہوئے، شہادت کے بعد ان کے بدن کو دیکھا گیا تو چھلنی ہو گیا تھا، اسّی سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے اُن کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے اُن کو پہچانا،

فائدہ: جو لوگ خلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں اُن کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، یہ حضرت انسؓ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے، اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے،

میں نے ایک معتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا الشاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص خادم ہیں، حضرت کا مقولہ سُنا ہی کہ "جنت کا مزہ آرہا ہے" "فضائل رمضان" میں اس قصہ کو لکھ چکا ہوں،

صلح حدیبیہ اور ابو جندل اور ابو بصیر کا قصہ،

(۳) ۶ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لیجا رہے تھے، کفارِ مکہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلت سمجھے، اس لئے مزاحمت کی، اور حدیبیہ میں آپؐ کو رُکنا پڑا، جاں نثار صحابہؓ ساتھ تھے، جو حضورؐ پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے، لڑنے کو تیار ہو گئے، مگر حضورؐ نے مکہ والوں کی خاطر سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا، اور صلح کی کوشش کی، اور باوجود صحابہ کی لڑائی پر مستعدی اور بہادری کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اسقدر

رعایت فرمائی کہ انکی ہر شرط کو قبول فرمالیا، صحابہؓ کو اس طرح دب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرمانبردار، اس لئے حضرت عمرؓ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں اُن شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے مسلمان اسکو مکہ واپس کر دیں اور مسلمانوں میں سے خدانخواستہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے، یہ صلحنامہ ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابو جندلؓ ایک صحابی تھے جو اسلام لانیکی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا،

انکے باپ سہیل نے جو اس صلحنامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، انھوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لیجانے پر اصرار کیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلحنامہ مرتب بھی نہیں ہوا اس لئے ابھی پابندی کس بات کی؟ مگر انھوں نے اصرار کیا، پھر حضورؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دیدو، مگر وہ لوگ ضد پر تھے، نہ مانا، ابو جندلؓ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا، اب واپس کیا جا رہا ہوں، اُس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذری ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر حضورؐ کے ارشاد سے واپس ہوئے، حضورؐ نے تسلّی فرمائی اور صبر کرنیکا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہٗ تمھارے لئے رستہ نکالیں گے،

صلحنامہ کے مکمّل ہو جانیکے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیرؓ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے، کفار نے انکو واپس بلانے کے لئے دو آدمی بھیجے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ واپس فرمادیا، ابو بصیرؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ میں مسلمان ہو کر آیا، آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں آپنے اُن سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا، یہ صحابی اُن دونوں کافروں کیساتھ واپس ہوئے، راستہ میں اُن میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے، شیخی باز آدمی ذرا سی باتمیں پھول ہی جاتا ہی، وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا

تجربہ کیا یہ کہکر تلوار انکے حوالہ کردی، انھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا، دوسرا ساتھی یہ دیکھکر کہ ایک کو تو نمٹا دیا، اب میرا نمبر ہی، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہی اب میرا نمبر ہے، اس کے بعد ابو بصیرؓ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہی جس کی ذمہ داری ہو وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں اس لئے میں نے یہ کیا، حضورؐ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہی کاش کوئی اس کا معین و مددگار ہوتا، وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئیگا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا، اس لئے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے، مکّہ والوں کو اس قصّہ کا حال معلوم ہوا، تو ابو جندل بھی جن کا قصّہ پہلے گذرا چھپکر وہیں پہنچ گئے، اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ انکے ساتھ جا ملتا، چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی، جنگل میں جہاں نہ کوئی کھانے کا انتظام نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اس لئے اُن لوگوں پر جو گذری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہی مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگے تھے ان کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ اُدھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے، حتیٰ کہ کفارِ مکّہ نے پریشان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیکر آدمی بھیجا کہ اس بے سری جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے، لکھا ہو کہ حضورؐ کا اجازت نامہ جب اُن حضرات کے پاس پہنچا ہی تو ابو بصیرؓ مرض الموت میں گرفتار تھے، حضورؐ کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا، رضی اللہ عنہ وارضاہ (بخاری، فتح)

فائدہ:۔ آدمی اگر اپنے دین پر پکّا ہو بشرطیکہ دین بھی سچا ہو تو بڑی سے بڑی طاقت اس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہی بشرطیکہ وہ مسلمان ہو،

(۴) حضرت بلال حبشیؓ کا قصّہ

حضرت بلال حبشیؓ مشہور صحابی ہیں، جو مسجدِ نبویؐ کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے اسلام لے آئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیئے جاتے تھے، اُمیّہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا انکو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھدیتا تھا

تاکہ وہ حرکت نہ کرسکیں، اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مرجائیں اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں مگر وہ اس حالت میں بھی اَحَد اَحَد کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے، رات کو زنجیروں میں باندھکر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن اُن زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا تاکہ بیقرار ہوکر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مرجاویں، عذاب دینے والے اُکتا جاتے کبھی ابوجہل کا نمبر آتا کبھی اُمیہ بن خلف کا کبھی اوروں کا اور ہر شخص اسکی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زخم کردے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو ان کو خرید کر آزاد کردیا،

فائدہ:- چونکہ عرب کے بُت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے انکے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر "ایک ہی ایک" کا ورد تھا، یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہوجاتی ہے اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے،

یہی وجہ ہے کہ حضرت بلالؓ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا، سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں، مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کردیا جاتا تھا کہ وہ اُنکو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے"، کی رٹ لگاتے تھے، اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضورؐ کے دربار میں مؤذن بنے اور سفر و حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی، حضورؐ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضورؐ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا، اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں جہاد میں گذار دوں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیتے، ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے، ایک مرتبہ حضورؐ کی خواب میں زیارت کی، حضورؐ نے فرمایا بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے؟ تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، حضرت حسنؓ و حسینؓ نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی، اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضورؐ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑی کہرام مچ گیا، عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں، چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا واللہ اعلم

حضرت ابوذر غفاریؓ کا قصہ

⑤ حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی جو بعد میں بڑے زاہدوں اور بڑے علماء میں سے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں مگر انھوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے جب ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی پہلے پہل خبر پہونچی تو انھوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کیواسطے مکّہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سُنیں وہ مکّہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جاکر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سُنا جو نہ شعر ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے،

ابوذرؓ کی اس مجمل بات سے تشفی نہ ہوئی تو خود سامانِ سفر کیا اور مکّہ پہنچے، اور سیدھے مسجد حرام میں گئے، حضورؐ کو پہچانتے نہ تھے، اور کسی سے پوچھنا مصلحت کے خلاف سمجھا شام تک اسی حال میں رہے، شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مسافر ہے، مسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبرگیری، انکی ضرورتوں کا پورا کرنا ان حضرات کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس لئے انکو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اسکے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو کیوں آئے، مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا، صبح کو پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا، کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت کسی سے کیا نہیں، غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ حضورؐ کے ساتھ دشمنی کے قصّے بہت مشہور تھے، آپکو اور آپکے ملنے والوں کو ہر طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں، ان کو خیال ہوا کہ صحیح حال معلوم نہیں ہوگا اور بدگمانی کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی، دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لئے آیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی، اس لئے پھر اپنے گھر لے گئے، اور رات کو کھلایا سُلایا، مگر پوچھنے کی اس رات کو بھی نوبت نہ آئی، تیسری رات پھر یہی صورت ہوئی تو حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ تم کس کام سے آئے ہو کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذرؓ نے اوّل ان کو قسم اور عہد و پیمان دیئے، اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں، اس کے بعد اپنی غرض بتلائی، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے

فرمایا کہ وہ بیشک اللہ کے رسول ہیں، اور صبح کو جب میں جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا، میں وہاں تک پہنچا دونگا، لیکن مخالفت کا زور ہے اس لئے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ ہو تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتہ درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں جسکی وجہ سے تمھارا میرے ساتھ ہونا معلوم نہ ہو، چنانچہ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پیچھے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے وہاں جاکر بات چیت ہوئی اسی وقت مسلمان ہو گئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمۂ توحید کو اُن بے ایمانوں کے بیچ میں چلّا کے پڑھونگا چنانچہ اسی وقت مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے، اور بلند آواز سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا، پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ اُٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا مرنے کے قریب ہو گئے، حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو اُس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے انکے اوپر بچانے کیلئے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ یہ کیا ظلم کرتے ہو یہ شخص قبیلۂ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملکِ شام کے راستہ میں پڑتا ہے، تمھاری تجارت وغیرہ سب ملک شام کے ساتھ ہے اگر یہ مر گیا تو شام کا جانا آنا بند ہو جائیگا، اس پر اُن لوگوں کو خیال ہوا کہ ملکِ شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے، اس واسطے ان کو چھوڑ دیا، دوسرے دن پھر اسی طرح انھوں نے جاکر باآواز بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لاسکتے تھے اس لئے اُن پر ٹوٹ پڑے، دوسرے دن بھی حضرت عباسؓ نے اسی طرح انکو سمجھا کر ہٹایا کہ تمھاری تجارت کا راستہ بند ہو جائیگا (فتح)

فائدہ: حضورؐ کے اس ارشاد کے باوجود کہ اپنے اسلام کو چھپاؤ ان کا یہ فعل حق کے اظہار کا ولولہ اور غلبہ تھا کہ جب یہ دین حق ہے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے جس سے ڈر کر چھپایا جائے اور حضورؐ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمّل نہ ہو، ورنہ حضورؐ کے حکم کے خلاف صحابہؓ کی یہ مجال ہی نہ تھی، چنانچہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آرہا ہے

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرما رہے تھے، اس لئے حضرت ابو ذرؓ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضورؐ کے اتباع کو ترجیح دی،

یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی اور دنیوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قدم چوم رہی تھی، اور ہر میدان اُن کے قبضہ میں تھا، کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجاتا تھا بڑی سے بڑی قوت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی، اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اشاعت سے ہٹا سکتا تھا،

حضرت خباب بن الارت کا قصہ

(۶) حضرت خباب بن الارتؓ بھی اِنہی مبارک ہستیوں میں ہیں جنھوں نے امتحان کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا، اور اللہ کے رستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں، شروع ہی میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اس لئے بہت زمانہ تک تکلیفیں اُٹھائیں، لوہے کی زرہ پہنا کر انکو دھوپ میں ڈالدیا جاتا جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے، اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم زمین پر لٹایا جاتا جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل کر گر گیا تھا، یہ ایک عورت کے غلام تھے اس کو خبر پہنچی کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں تو اس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے انکے سر کو اس سے داغ دیتی تھی، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عرصہ کے بعد اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خبابؓ سے ان تکالیف کی تفصیل پوچھی جو اُن کو پہنچائی گئیں، انھوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں، حضرت عمرؓ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں، انھوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا، میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی،

ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس پر رویا کرتے تھے کہ خدانخواستہ ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا،

حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی، صحابہؓ نے اسکے متعلق عرض کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت و ڈر کی نماز تھی، میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں، دو ان میں سے قبول ہوئیں، اور ایک کو انکار فرما دیا، میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری اُمت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے، یہ

قبول ہوگئی، دوسری یہ دعا کی کہ انپر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو انکو بالکل مٹادے، یہ بھی قبول ہوگئی، تیسری یہ دعا کی کہ انمیں آپسمیں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، یہ بات منظور نہیں ہوتی،

حضرت خبابؓ کا انتقال سینتیس ۳۷ سال کی عمر میں ہوا، اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے انکے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گذر انکی قبر پر ہوا، تو ارشاد فرمایا اللہ خبابؓ پر رحم فرمائیں، اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گذار دی اور مصیبتیں برداشت کیں مبارک ہو وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے، اور گذارہ کے قابل مال پر قناعت کرے اور اپنے مولی کو راضی کرلے (اسد الغابہ)

فائدہ:- حقیقت میں مولی کو راضی کرلینا انہی لوگوں کا حصّہ تھا کہ ان کی زندگی کا ہر کام مولی ہی کی رضا کے واسطے تھا،

حضرت عمارؓ اور ان کی والدہ کا قصہ

⑦ حضرت عمار اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں انکو عذاب دیا جاتا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنّت کی بشارت فرماتے، آخر انکے والد حضرت یاسرؓ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پاگئے کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا، اور انکی والدہ حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں ابوجہل ملعون نے ایک برچھا مارا، جس سے وہ شہید ہوگئیں مگر اسلام سے نہ ہٹیں حالانکہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں مگر اس بدنصیب نے کسی چیز کا بھی خیال نہیں کیا، اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمارؓ کی بنائی ہوئی ہے،

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لیگئے، تو حضرت عمارؓ نے کہا کہ حضورؐ کیلئے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہئے جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں، تو قبا میں حضرت عمارؓ نے اوّل پتھر جمع کئے اور پھر مسجد بنائی، لڑائی میں نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے،

ایک مرتبہ مزے میں آکر کہنے لگے کہ "اب جاکر دوستوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی جماعت سے ملیں گے،، اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا اس نے

دودھ سامنے کیا اسکو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضورؐ سے سُنا کہ تو دنیا میں سب سے آخری چیز دودھ پئے گا، اسکے بعد شہید ہو گئے، اسوقت چورانوے ۹۴ برس کی عمر تھی بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہو (اسد الغابہ)

حضرت صہیبؓ کا قصہ (۸) حضرت صہیبؓ بھی حضرت عمارؓ ہی کے ساتھ مسلمان ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم صحابی کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں حضرات علیحدہ علیحدہ حاضرِ خدمت ہوئے، اور مکان کے دروازہ پر دونوں اتفاقیہ اکٹھے ہو گئے، ہر ایک نے دوسرے کی غرض معلوم کی، تو ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضورؐ کے فیض سے مستفیض ہونا، دونوں کا مقصود تھا، اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد جو اس زمانہ میں اس قلیل اور کمزور جماعت کو پیش آتا تھا وہ پیش آیا، ہر طرح ستائے گئے، تکلیفیں پہنچائی گئیں، آخر تنگ آکر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جاکر آرام سے زندگی بسر کرلیں، اس لئے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوتا تھا اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے، کہ تکالیف سے نجات نہ پا سکے، چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا، اور ایک جماعت اُن کو پکڑنے کے لئے گئی، انھوں نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور اُن لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا تم لوگ مجھ تک نہیں آسکو گے، اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا تو میں اپنی تلوار سے مقابلہ کرونگا، یہانتک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے، اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا، اس لئے اگر تم چاہو تو اپنی جان کے بدلے میں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں جو مکہ میں ہے، اور دو باندیاں بھی ہیں وہ سب تم لیلو، اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور اپنا مال دیکر جان چھڑائی، اسی بارہ میں آیت پاک

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

(ترجمہ) "بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں،"

نازل ہوئی۔ (در منثور)

حضورؐ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے صورت دیکھکر ارشاد فرمایا کہ نفع کی تجارت کی، صہیبؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اسوقت کھجور نوش فرما رہے تھے اور میری آنکھ دُکھ رہی تھی، میں بھی ساتھ کھانے لگا، حضورؐ نے فرمایا کہ آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو؟ میں نے

عرض کیا کہ حضورؐ اس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو تندرست ہی، حضورؐ یہ جواب سنکر ہنس پڑے
حضرت صہیبؓ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے، حتّٰی کہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ
تم فضول خرچی کرتے ہو، انھوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا، حضرت
عمرؓ کا جب وصال ہونے لگا تو انہی کو جنازہ کی نماز پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی (اسد الغابہ)

حضرت عمرؓ کا قصہ

⑨ حضرت عمرؓ جن کے پاک نام پر آج مسلمانوں کو فخر ہی اور جن کے
جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سو برس بعد تک کافروں کے دل میں خوف ہی، اسلام لانے
سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ اور تکلیف پہنچانے میں بھی ممتاز تھے، نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے قتل کے درپے رہتے تھے، ایک روز کفار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی
کہ کوئی ہی جو محمدؐ کو قتل کردے؟ عمرؓ نے کہا کہ میں کروں گا، لوگوں نے کہا کہ بیشک تم ہی
کرسکتے ہو، عمرؓ تلوار لٹکائے ہوئے اٹھے اور چل دیئے، اسی فکر میں جارہے تھے کہ ایک
صاحب قبیلۂ زہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص ہی، اور بعضوں نے اور
صاحب لکھے ہیں ملے، انھوں نے پوچھا کہ عمر کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمّد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے فکر میں ہوں (نعوذ باللہ) سعد نے کہا بنو ہاشم
اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطئن ہوگئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کردینگے،
اس جواب پر بگڑ گئے، اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے تو بھی بے دین (یعنی مسلمان)
ہوگیا ہی، لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں، یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعدؓ نے بھی
یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہوگیا ہوں تلوار سنبھالی، دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی
کہ حضرت سعدؓ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوچکے ہیں،
یہ سننا تھا کہ غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے وہاں حضرت خبابؓ جن کا
ذکر نمبر ۶ پر گذرا کواڑ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے،
حضرت عمرؓ نے کواڑ کھلوایا، انکی آواز سے حضرت خبابؓ تو جلدی سے اندر چھپ گئے
اور وہ صحیفہ بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا، جس پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں، ہمشیرہ
نے کواڑ کھولے حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا،

جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اپنی جان کی دشمن تو بھی بددین ہو گئی، اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے، کہنے لگے کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا؟ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو تب؟ یہ سننا تھا کہ اُن کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا، بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو اُنکے مُنہ پر طمانچہ مارا کہ خون نکل آیا، وہ بھی آخر عمرؓ ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں کہ ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے، بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں جو تجھ سے ہو سکے تو کر لے،

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی نگاہ اُس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا، اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آ رہی تھی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ یہ کیا ہے، بہن نے کہا کہ تو ناپاک ہے اور اسکو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے، ہر چند اصرار کیا مگر وہ بے وضو اور غسل کے بغیر دینے کو تیار نہ ہوئیں، حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور اس کو لیکر پڑھا، اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، اُس کو پڑھنا شروع کیا اور اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ تک پڑھا تھا کہ حالت ہی بدل گئی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو، یہ الفاظ سُن کر حضرت خبابؓ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ کل شب پنجشنبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی تھی کہ یا اللہ عمر اور ابو جہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما، (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے) معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی،

اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے (خمیس)

ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کفار کے حوصلے پست ہونا شروع ہو گئے، مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکہ بلکہ سارا عرب، اس لئے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورہ کر کے ان حضرات کو ناپید کرنیکی کوشش ہوتی تھی، اور طرح طرح کی تدبیریں کیجاتی تھیں تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے، حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی، اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی (اسد الغابہ)

مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب ابی طالب میں قید ہونا

(۱۰) مسلمانوں کو اور اُنکے سردار فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار سے تکالیف پہنچتی ہی رہیں اور آئے دن انمیں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسکی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں، تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر ان کی رحم دل اور منصف مزاج ہونے کی شہرت تھی،

چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، مکّہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ جا سکیں مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے وہاں پہنچکر اُن کو یہ خبر ملی کہ مکّہ والے سب مسلمان ہوگئے اور اسلام کو غلبہ ہوگیا، اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آگئے، لیکن مکّہ مکرمہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکّہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہنچانے میں مصروف ہیں تو بڑی دقت ہوئی، ان میں سے بعض حضرات وہیں واپس ہوگئے اور بعض کسی کی پناہ لیکر مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے، یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے،

اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں بتلائی جاتی ہیں متفرق طور پر ہجرت کی، اور حبشہ کی یہ دوسری ہجرت کہلاتی ہے، بعض صحابہؓ نے دونوں ہجرتیں کیں، اور بعض نے ایک، کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے تو انکو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لیکر نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا جو بادشاہ کیلئے بھی بہت سے تحفے لیکر گیا اور اُس کے خواص اور پادریوں کیلئے بھی بہت سے ہدیے لیکر گیا جاکر اوّل پادریوں اور حکام سے ملا اور ہدیہ دیکر اُن سے بادشاہ کے یہاں اپنی سفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا، اوّل بادشاہ کو سجدہ کیا، اور پھر تحفے پیش کرکے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور حکام نے تائید کی،

اُنھوں نے کہا کہ اے بادشاہ ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ جانتے ہیں اور آپکے ملک میں آکر رہنے لگے۔ ہم کو شرفاءِ مکہ کے اور ان لوگوں کے باپ، چچا، اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ اُن کو ہمارے سپرد کر دیں، بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر تحقیق انکو حوالہ نہیں کر سکتا، اوّل اُن سے بُلاکر تحقیق کر لوں، اگر یہ صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا، چنانچہ مسلمانوں کو بُلایا گیا، مسلمان اوّل بہت پریشان ہوئے کیا کریں، مگر اللہ کے فضل نے مدد کی، اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہئے اور صاف بات کہنا چاہئے، بادشاہ کے یہاں پہنچکر سلام کیا، کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آدابِ شاہی کے موافق سجدہ نہیں کیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہمکو ہمارے نبیؐ نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنیکی اجازت نہیں دی، اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت کئے، حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور فرمایا:

"ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے، نہ اللہ کو جانتے تھے نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے، پتھروں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، رشتہ ناتوں کو توڑتے تھے۔ ہم میں کا قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو اس کی سچائی کو اس کی امانتداری کو پرہیزگاری کو ہم خوب جانتے ہیں، اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں بتوں کے پوجنے سے منع فرمایا، اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا، بُرے کاموں سے منع کیا، اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا، امانتداری کا حکم کیا، صلۂ رحمی کا حکم کیا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا، نماز روزہ صدقہ خیرات کا حکم دیا، اور اچھے اخلاق تعلیم کئے، زنا، بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا اور اس قسم کے بُرے اعمال سے منع فرمایا، ہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل کی جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو ہر طرح ستایا ہم لوگ مجبور ہو کر تمھاری پناہ میں اپنے نبیؐ کے ارشاد سے آئے ہیں۔"

بادشاہ نے کہا جو قرآن تمھارے نبی لیکر آئے ہیں وہ کچھ مجھے سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی اوّل کی آیتیں پڑھیں جس کو سُنکر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے سب کے سب اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہوگئیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ علیٰ لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں، اور ان لوگوں سے صاف انکار کردیا کہ میں انکو تمھارے حوالے نہیں کرسکتا وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذلّت اٹھانا پڑی، آپس میں صلاح کرکے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ انکی جڑ ہی کاٹدے، ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں چاہیئے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہوگئے مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں مگر اس نے نہ مانا، دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جاکر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، انکو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بُلایا، صحابہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی، بہرحال گئے، بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ پر اُن کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں، اُس کی رُوح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریمؑ کی طرف ڈالا، نجاشی نے کہا حضرت عیسیٰؑ بھی اسکے سوا کچھ نہیں فرماتے، پادری لوگ آپس میں کچھ چخ پخ کرنے لگے، نجاشی نے کہا تم جو چاہے کہو، اس کے بعد نجاشی نے اُنکے تحفے واپس کردیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو جو تمھیں ستائے اسکو تاوان دینا پڑیگا اور اس کا اعلان بھی کرادیا کہ جو شخص انکو ستائیگا اسکو تاوان دینا ہوگا (خمیس)

اس کیوجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا، اور اس وفد کو ذلّت سے واپس آنا پڑا تو پھر کفارِ مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا ظاہر ہے، اسکے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے نے انکو اور بھی جلا رکھا تھا، اور ہروقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے ملنا جلنا بند ہوجائے، اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے، اس لئے سرداران مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا جائے، لیکن قتل کردینا بھی آسان کام نہ تھا، اس لئے کہ بنوہاشم بھی بڑے جتھے اور اونچے طبقہ

کے لوگ شمار ہوتے تھے وہ اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی حضورؐ کے قتل ہو جانے پر آمادہ نہیں تھے، اس لئے ان سب کفار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کیا جائے، نہ انکو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ اُن سے کوئی خرید فروخت کرے، نہ بات چیت کرے، نہ اُنکے گھر جائے، نہ انکو اپنے گھر میں آنے دے، اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جبتک کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کردیں، یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا بلکہ یکم محرم ۷ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھکر بیت اللہ میں لٹکایا گیا تاکہ ہر شخص اس کا احترام کرے اور اس کو پورا کرنیکی کوشش کرے، اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظربند رہے، نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے، نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر کے آنیوالے کسی تاجر سے مل سکتے تھے، اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا، معمولی سامان غلہ وغیرہ جو اُن لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا، آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بیتاب ہو کر روتے اور چلاتے اور انکے اعزہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں،

آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا اور ان حضرات کی یہ مصیبت دُور ہوئی، تین برس کا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظربندی میں گذرا اور ایسی حالت میں اُن حضرات پر کیا کیا مشقتیں گذری ہونگی وہ ظاہر ہے لیکن اسکے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نہایت ثابت قدمی کیساتھ اپنے دین پر جمے رہے بلکہ اسکی اشاعت فرماتے رہے

فائدہ:- یہ تکالیف اور مشقتیں اُن لوگوں نے اٹھائی ہیں جنکے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو متبع بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابۂ کرامؓ جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن کسی وقت ذرا غور کرکے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا کیا، کامیابی ہمیشہ کوشش اور سعی کے مناسب ہوتی ہے ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش و آرام بددینی اور دنیا طلبی میں کافروں کے دوش بدوش چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ؎ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

(ترجمہ) "مجھے خوف ہے اے بدوی کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ یہ رستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے"

دُوسرا باب ۲

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا خوف اور ڈر

دین کے ساتھ اس جانفشانی کے باوجود جس کے قصّے ابھی گذرے، اور دین کیلئے اپنی جان مال آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں اللہ جل شانہ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا اللہ کرے کہ اس کا کچھ شمّہ ہم سے سیہ کاروں کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے طور پر اس کے بھی چند قصّے لکھے جاتے ہیں:۔

آندھی کے وقت حضورؐ کا طریقہ

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابر آندھی وغیرہ ہوتی تھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لیجاتے کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ ۝

(ترجمہ) "یا اللہ اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو بارش وغیرہ اسکی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض سے بھیجی گئی اسکی بھلائی چاہتا ہوں یا اللہ میں اس ہوا کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے بھیجی گئی اس کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں"۔

اور جب بارش شروع ہو جاتی تو چہرہ پر انبساط شروع ہوتا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سب لوگ جب ابر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے، مگر آپ پر ایک گرانی محسوس ہوتی ہی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا، عائشہ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہی کہ اسمیں عذاب نہ ہو، قوم عاد کو ہوا کے ساتھ ہی عذاب دیا گیا، اور وہ ابر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس ابر میں ہمارے لیے پانی برسایا جائے گا، حالانکہ اس میں عذاب تھا (درمنثور)

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: "ان لوگوں نے (یعنی قوم عاد نے) جب اُس بادل کو اپنی وادیو کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں برسنے والا نہیں بلکہ یہ وہی (عذاب ہے) جس کی تم جلدی مچاتے تھے (اور نبیؑ سے کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب لا) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دیگی چنانچہ وہ لوگ اس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہوگئے کہ بجز اُنکے مکانات کے کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں" (بیان القرآن وغیرہ)

فائدہ:۔ یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے جس کا سید الاولین والآخرین ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے، خود کلام پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپکے ہوتے ہوئے اُن کو عذاب دیں، اس وعدۂ خداوندی کے باوجود پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوفِ الٰہی کا یہ حال تھا کہ ابر اور آندھی کو دیکھ کر پہلی قوموں کے عذاب یاد آجاتے تھے، اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے متاثر ہونے کے توبہ استغفار نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قسم قسم کی لغو تحقیقات میں پڑ جاتے ہیں،

اندھیرے میں حضرت انسؓ کا فعل

(۴) نضر ابن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا، میں حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورؐ کے زمانہ میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا خدا کی پناہ، حضورؐ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز ہو جاتی تھی تو ہم لوگ قیامت کے آجانیکے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے، ایک دوسرے صحابی ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی تو حضورؐ گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لے جاتے (جمع الفوائد)

فائدہ: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ و مصیبت و بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے؟ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے؟ آپ خود ہی

اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

سورج گرہن میں حضورؐ کا عمل

(۴) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا، صحابہ کو فکر ہوئی کہ حضورؐ اس موقع پر کیا عمل فرمائیں گے کیا کریں گے اسکی تحقیق کی جائے جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے۔ نو عمر لڑکے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے انکو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے تاکہ یہ دیکھیں کہ حضورؐ اس وقت کیا کریں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کسوف کی نماز پڑھی جو اتنی لمبی تھی کہ غش کھا کر گرنے لگے، نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روتے تھے اور فرماتے تھے "اے رب کیا آپنے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے ہوں" (سورۃ انفال میں اللہ جل شانہ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) پھر حضورؐ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے تو گھبرا کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو، جب کبھی ایسی حالت پیش آئے نماز پڑھو، دعاء مانگو، صدقہ کرو۔

حضورؐ کا ساری رات روتے رہنا

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے، اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے:۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ

(ترجمہ) "اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپکے بندے ہیں اور آپ انکے مالک اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں، تو معافی پر بھی قدرت ہے اور حکمت والے ہیں تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی۔" (بیان القرآن)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ پڑھتے رہے اور روتے رہے، مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ

قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب مِلے جُلے رہے مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سُن کر جتنا بھی رویا جاوے تھوڑا ہی کہ نہ معلوم اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرمانبرداروں میں،

حضرت ابو بکرؓ پر اللہ کا ڈر

⑤ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماع اہل سنّت انبیاء کے علاوہ تمام دنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی، بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بنایا اور جنت کے سب دروازوں سے انکی پکار اور بُلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے پہلے ابو بکرؓ جنت میں داخل ہوں گے، اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی فرماتے کاش میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے کاش میں کسی مؤمن کے بدن کا بال ہوتا، ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لیگئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تو کس قدر لُطف میں ہے کہ کھاتا پیتا ہے، درختوں کے سایہ میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں، کاش! ابو بکر بھی تجھ جیسا ہوتا (تاریخ الخلفاء)

ربیعہ اسلمیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابو بکرؓ میں کچھ بات بڑھ گئی، اور انھوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہدیا جو مجھے ناگوار گذرا، فوراً انکو خیال ہوا، مجھ سے فرمایا کہ تو بھی مجھے کہدے تاکہ بدلہ ہو جاوے، میں نے کہنے سے انکار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ میں حضورؐ سے جاکر عرض کرونگا، میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا، وہ تو اُٹھکر چلے گئے، بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی حضورؐ سے شکایت کریں، میں نے کہا تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابو بکر صدیقؓ ہیں اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسولؐ مجھ سے خفا ہو جائے گا، اور اس کی خفگی سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہو جائیں گے تو ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے، اس کے بعد میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصّہ عرض کیا، حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیے البتہ اسکے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابو بکر اللہ تمہیں معاف فرمادیں،

فائدہ:- یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا کہ اوّل خود درخواست کی اور پھر حضورؐ کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ بدلہ لیلیں، آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہدیتے ہیں اسکا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جاوے گا حساب کتاب بھی ہوگا،

حضرت عمرؓ کی حالت

(۶) حضرت عمرؓ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کبھی فرماتے کاش مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا، ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجئے، آپ نے اس کے ایک دُرّہ مار دیا کہ جب میں اس کام کے لئے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آکر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا، وہ شخص چلا گیا، آپ نے آدمی بھیجکر اس کو بلوایا اور دُرّہ دیکر فرمایا کہ بدلہ لیلو، اُس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا، گھر تشریف لائے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اپنے آپکو خطاب کر کے فرمایا اے عمر تو کمینہ تھا اللہ نے تجھ کو اونچا کیا تو گمراہ تھا اللہ نے تجھ کو ہدایت کی، تو ذلیل تھا اللہ نے تجھے عزّت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا، اب ایک شخص آکر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دے تو تُو اس کو مارتا ہے، کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیگا، بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے (اسد الغابہ)

آپ کے غلام حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حرّہ کی طرف جا رہا تھا، ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے جو رات ہو جانیکی وجہ سے شہر میں نہیں گیا باہر ہی ٹھہر گیا، چلو اسکی خیر خبر لیں، رات کو حفاظت کا انتظام کریں، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں، اور ایک دیگچی چولھے پر رکھی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے، اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے، انھوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لیکر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں، دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر

ﻋﮧ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے،

بہلانے کیواسطے آگ پر رکھدی ہے کہ ذرا ان کو تسلی ہوجاے اور سو جائیں، امیر المومنین عمرؓ کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے، حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے بھلا عمرؓ کو تیرے حال کی کیا خبر ہے، کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے، اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے ساتھ لیکر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لئے، غرض اس بوری کو خوب بھر لیا، اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھدے میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں، آپنے فرمایا کہ نہیں میری کمر پر رکھدے، دو تین مرتبہ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا، اس کو میں ہی اٹھاؤں گا، اس لئے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سوال ہوگا،

میں نے مجبور ہوکر بوری کو آپکی کمر پر رکھدیا، آپ نہایت تیزی کیساتھ اسکے پاس تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا، وہاں پہونچکر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا، اور چولھے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا، اسلمؓ کہتے ہیں کہ آپکی گنجان ڈاڑھی میں دُھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا حتیٰ کہ حریرہ سا تیار ہوگیا اس کے بعد آپنے اپنے دستِ مبارک سے نکال نکال کر انکو کھلایا وہ سیر ہوکر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہوگئے، اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کیواسطے اُنکے حوالہ کردیا، وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے حضرت عمرؓ کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے، حضرت عمرؓ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤگی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤگی،

حضرت عمرؓ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے، اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے، اور فرمایا کہ میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میں نے انکو روتے ہوئے دیکھا تھا میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں (اشہر مشاہیر منتخب کنز العمال)

صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی، ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے، اِنَّمَآ

اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی، تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے،

فائدہ:۔ یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور بادشاہ ڈرتے تھے کانپتے تھے، آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے، آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کی نصیحت

⑦ وہب بن منبہ رحؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ظاہری بینائی جانیکے بعد میں ان کو لئے جا رہا تھا، وہ مسجدِ حرام میں تشریف لیگئے وہاں پہنچکر ایک مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آرہی تھی، فرمایا مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو، میں اس طرف لیگیا وہاں پہنچکر آپنے سلام کیا، ان لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو آپنے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں جنکو اس کے خوف نے چُپ کر رکھا ہے حالانکہ وہ نہ عاجز ہیں نہ گونگے بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں، سمجھدار ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے انکی عقلوں کو اڑا رکھا ہے، انکے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں، اور زبانیں چُپ رہتی ہیں، اور جب اس حالت پر اُن کو پختگی میسّر ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں تم لوگ اُن سے کہاں ہٹ گئے، وہبؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا،

فائدہ:۔ حضرت ابن عباسؓ اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں، اوپر کے قصہ میں حضرت ابن عباسؓ نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل نسخہ بتلایا کہ اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے، اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا، رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں تو کیا مشکل ہے،

تبوک کے سفر میں قومِ ثمود کی بستی پر گذر

⑧ غزوۂ[1] تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] غزوہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے ہوں ۱۲

کا آخری غزوہ ہی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکا ارادہ کر رہا ہی اور بہت بڑا لشکر لیکر شام کے راستہ سے مدینہ کو آرہا ہی، اس خبر پر ۵ رجب ۹ھ پنجشنبہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقابلہ کیلئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے، چونکہ یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مقابلہ کیلئے چلنا ہے تیاری کرلی جائے اور حضورؐ نے خود اس کیلئے چندہ فرمانا شروع کیا، یہی لڑائی ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب اُن سے پوچھا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا تو فرمایا کہ ان کیلئے اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا، اور حضرت عمرؓ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے، جس کا قصہ ۴ باب ۶ میں آتا ہی، اور حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مہیا فرمایا، اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا، اسکے باوجود چونکہ عام طور سے تنگی تھی اس لئے دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے کہ نوبت بہ نوبت اس پر سوار ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام جیش العسرۃ (تنگی کا لشکر) بھی تھا، یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دُور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی، اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زوروں پر تھا، کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے، اور کھجور پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دارومدار تھا کہ سال بھر کی روزی جمع کرنیکا گویا یہی زمانہ تھا، ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کیلئے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضورؐ کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی، اور دوسری جانب ساری دقتیں کہ ہر وقت مستقل روک تھی، بالخصوص سال بھر کی محنت اور پکے پکائے درختوں کا یوں بے یار ومددگار چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہی، مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا اس لئے بجز منافقین اور معذورین جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے، یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے، جنکے بارے میں تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ نازل ہوئی اور

سب ہی حضرات ہمرکاب تھے، البتہ تین حضرات بغیر عذر کے شریک نہیں تھے، جن کا قصہ آئندہ آرہا ہے، راستہ میں قوم ثمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانپ لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدانخواستہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے، جو اُن پر نازل ہوا تھا (اسلام خمیس)

فائدہ:- اللہ کا پیارا نبی اور لاڈلا رسولؐ عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا خوف کرتا ہوا گذرتا ہے اور اپنے جاں نثار دوستوں کو جو اس سخت مجبوری کے وقت میں بھی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہیں روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدانخواستہ وہ عذاب اُنپر نہ نازل ہو جائے اور ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آجائے تو اس کو سیرگاہ بناتے ہیں، کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور رونا تو درکنار رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے،

تبوک میں حضرت کعبؓ کی غیر حاضری اور توبہ

(۹) سی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسّی سے زیادہ تو منافق انصار میں سے تھے، اور اتنے ہی تقریباً بدوی لوگوں میں سے، ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ کہہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو) حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے، انکے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا قوی عذر کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے، ایک کعبؓ بن مالکؓ، دوسرے ہلال بن امیہؓ، تیسرے مرارة بن ربیعؓ، یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے بلکہ خوش حالی ہی سبب رہ جانیکا بن گئی، کعب اپنی سرگذشت جو اس موقع پر پیش آئی مفصل سناتے ہیں جو آئندہ آرہی ہے مرارة بن ربیع کا باغ خوب پھل رہا تھا اُن کا خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے، اس لئے ٹھہر گئے، مگر جب تنبہ ہوا تو چونکہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا اس لئے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا،

ہلالؓ کے اہل و اعزہ جو کہیں گئے ہوئے تھے اس موقع پر سب جمع ہو گئے ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے اس لئے ٹھہر گئے، مگر تنبہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے،

حضرت کعبؓ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہی، وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سُنایا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی اور مالدار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا، اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے کبھی بھی دو اونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم .... کی ہمیشہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا، بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی اور سفر بھی دُور کا تھا، ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا تاکہ لوگ تیاری کرلیں چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضورؐ کے ساتھ ہو گئی کہ رجسٹر میں اُن کا نام بھی لکھنا دشوار تھا، اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں نہ پتہ چلے تو دشوار نہ تھا، اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے، میں بھی سامانِ سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی، لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا کہ مجھے وسعت حاصل ہی، جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً ہو جائے گا حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپکے ساتھ ساتھ، مگر میرا سامانِ سفر تیار نہ ہوا پھر بھی مجھے یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں تیار کر کے جا ملوں گا، اسی طرح آجکل پر ٹلتا رہا حتیٰ کہ حضورؐ کے وہاں پہنچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا اس وقت میں نے کوشش بھی کی مگر سامان نہ ہو سکا، اب میں مدینہ طیبہ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو صرف وُہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور تھے اور حضورؐ نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعبؓ

نظر نہیں پڑتے کیا بات ہوئی، ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو اپنے مال و جمال کی اکڑنے روکا، حضرت معاذ رض نے فرمایا کہ غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سکوت فرمایا اور کچھ نہیں بولے حتیٰ کہ چند روز میں میں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا، دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور ﷺ کے غصّہ سے جان بچالوں، پھر کسی وقت معافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھدار سے مشورہ کرتا رہا، مگر جب معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دیگی اور میں نے سچ سچ عرض کرنیکی ٹھان لی، حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لیجاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں، چنانچہ حسب معمول حضور ﷺ تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا، حضور ﷺ نے ناراضگی کے انداز میں تبسم فرمایا اور اعراض فرمایا، میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ آپ نے اعراض فرمالیا، میں خدا کی قسم! نہ تو منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردّد ہے، ارشاد فرمایا کہ یہاں آ، میں قریب ہو کر بیٹھ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا، کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں کسی دنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اسکے غصّہ سے معقول عذر کے ساتھ خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے لیکن آپ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپکو راضی کرلوں تو قریب ہے کہ اللہ جل جلالہٗ مجھ سے ناراض ہونگے، اور اگر آپ سے صاف صاف عرض کردوں تو آپکو غصّہ آئیگا لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپکے عتاب کو زائل فرمادے گی، اس لئے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا، اور جیسا فارغ اور

وسعت والا میں اس زمانہ میں تھا......... کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ تمھارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے، میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا اگر تو کوئی عذر کر کے حضورؐ سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضورؐ کا استغفار تیرے لئے کافی تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو، لوگوں نے بتایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انھوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی، اور یہی جواب اُن کو ملا جو تجھ کو ملا، ایک ہلال بن اُمیہؓ دوسرے مرارۃ بن ربیع، میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدریؓ[1] ہیں وہ بھی میرے شریک حال ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی، کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے،

یہ قاعدہ کی بات ہو کہ غصہ اسی پر آتا ہی جس سے تعلق ہوتا ہی اور تنبیہ اسی کو کیجاتی ہی جسمیں اسکی اہلیت بھی ہو جسمیں اصلاح وصلاح کی قابلیت ہی نہ ہو اسکو تنبیہ ہی کون کرتا ہی

کعبؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کرنے لگے اور گویا دنیا ہی بدل گئی، حتّٰی کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی، سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے، در و دیوار اوپرے بن گئے، مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مرگیا تو حضورؐ جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے، اور خدانخواستہ حضورؐ کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایسا ہی رہونگا، نہ مجھ سے کوئی کلام کریگا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضورؐ کے ارشاد کے خلاف کون کرسکتا ہی، غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گذارے، میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپکر بیٹھ گئے تھے، میں سب میں قوی تھا، چلتا پھرتا بازار میں جاتا نماز میں شریک ہوتا مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا، حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا

[1] بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے، انکی بزرگی اور بڑائی مسلّم ہی، احادیث میں بھی انکی فضیلت آئی ہی، کتنی ہی حدیثوں میں انکی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش ہونیکی بشارتیں آئی ہیں ۱۲

اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضورؐ کے لب مبارک جواب کیلئے ہلے یا نہیں، نماز کے بعد حضورؐ کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چُرا کر دیکھتا کہ حضورؐ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں، جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو حضورؐ مجھے دیکھتے اور جب میں اُدھر متوجہ ہوتا تو حضورؐ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے، غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہو گیا تو میں ابو قتادہ کی دیوار پر چڑھا وہ میرے رشتہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت زیادہ تھے، میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، میں نے انکو قسم دیکر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت ہی؟ انھوں نے اس کا جواب نہ دیا، میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا وہ پھر بھی چُپ ہی رہے میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دیکر پوچھا، انھوں نے کہا اللہ جانے اور اس کا رسولؐ، یہ کلمہ سُن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا،

اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا ایک قبطی کو جو نصرانی تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سُنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتادو، لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا وہ میرے پاس آیا اور غسّان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لاکر دیا، اس میں لکھا ہوا تھا۔ "ہمیں معلوم ہوا کہ تمھارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہی، تمہیں اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمھاری مدد کریں گے" (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہی کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے تو اس کو بہکانے والے اور زیادہ کھونے کی کوشش کرتے ہیں اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال دلایا ہی کرتے ہیں) کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی، کہ میری حالت یہانتک پہنچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے، اور مجھے اسلام تک سے ہٹانیکی تدبیریں ہونے لگیں، یہ ایک اور مصیبت آئی، اور اس خط کو لیجا کر میں نے ایک تنور میں پھونک دیا، اور حضورؐ سے جاکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکے

اعراض کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے،

اسی حالت میں چالیس[۴۰] روز مجھ پر گذرے تھے کہ حضورؐ کا قاصد میرے پاس حضورؐ کا یہ ارشاد والا لیکر آیا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو، میں نے دریافت کیا کہ کیا منشاء ہے اسکو طلاق دیدوں؟ کہا نہیں بلکہ علیحدگی اختیار کرلو، اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی اسی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا، میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکہ میں چلی جا جبتک اللہ تعالیٰ شانہٗ اس امر کا فیصلہ فرمائیں وہیں رہنا،

ہلال بن اُمیہ کی بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں کوئی خبر گیری کرنیوالا نہ ہوگا تو ہلاک ہوجائیں گے، اگر آپؐ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں کچھ کام کاج اُن کا کر دیا کروں، حضورؐ نے فرمایا مضائقہ نہیں لیکن صحبت نہ کریں، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس چیز کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں، جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا آج تک اُن کا وقت روتے ہی گذر رہا ہے،

کعبؓ[۱] کہتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے، میں نے کہا وہ بوڑھے ہیں میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے اس لئے میں جرأت نہیں کرتا،

غرض اس حال میں دس روز اور گذرے کہ ہم سے بات چیت میل جول چھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہوگئے، پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا، زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلّانے والے نے آواز دی کہ کعبؓ! خوشخبری ہو تم کو میں اتنا ہی سُن کر سجدے میں گر گیا، اور خوشی کے مارے رونے لگا، اور سمجھا کہ تنگی دور ہوگئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے

---

[۱] ممکن ہے بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا یا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہ تو بولتے ہی نہ تھے ۱۲

پہلے پہنچ گئی، اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کی نذر کر دیئے، خدا کی قسم! ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا[1] اس وقت میری ملک میں نہ تھا، اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لیکر لوگ گئے، میں جب مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمتِ اقدس میں حاضر تھے مجھے مبارکباد دینے کیلئے دوڑے اور سب سے پہلے ابو طلحہ نے بڑھکر مبارکباد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یاد رہیگا، میں نے حضورؐ کی بارگاہ میں جاکر سلام کیا تو چہرۂ انور کھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح سے چمکنے لگتا تھا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جائداد جو ہے وہ سب اللہ کے رستہ میں صدقہ ہے کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی، حضورؐ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی، کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو، میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے، خیبر کا حصہ رہنے دیا جائے، مجھے سچ ہی نے نجات دی، اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولونگا (درمنثور، فتح الباری)

فائدہ:۔ یہ ہے صحابۂ کرام کی اطاعت اور دینداری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ حضرات شریک رہے، ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب ہوا اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گذار دیئے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی صدقہ کر دیا، اور کافروں نے طمع دلائی تو بجائے مشتعل ہونے کے اور زیادہ پشیمان ہوئے، اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضورؐ کے اعراض کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضعف اس درجہ تک پہنچ گیا کہ کافروں کو اس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنادیں، ہم لوگ بھی مسلمان ہیں

[1] اگرچہ کپڑے کے سوا اور مال موجود تھا، مگر اس وقت کی عام زندگی یہی تھی کہ فضول چیزیں زیادہ نہ ہوتی تھیں، اس لئے کپڑے دو ہی تھے ۱۲

اللہ اور اس کے پاک رسولؐ کے ارشادات بھی سامنے ہیں، بڑے سے بڑا حکم نماز ہی کا لے لو، کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی بھی چیز نہیں کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اور جو کرتے ہیں وہ بھی کیسی کرتے ہیں، اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا کہ اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے،

صحابہؓ کے ہنسنے پر حضورؐ کی تنبیہ اور قبر کی فریاد

(۱۰) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز کیلئے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی، اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو، لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ "میں بیگانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں"، جب کوئی مؤمن قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے، بہت اچھا کیا تو آ گیا، جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے تو ان سب میں مجھے زیادہ پسند تھا، آج جب تو میرے پاس آیا ہے تو میرے بہترین سلوک کو دیکھے گا، اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مُردے کی نظر پہنچ سکے وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے، اور ایک دروازہ اس میں جنّت کا کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں،

اور جب کوئی بدکردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، بُرا کیا جو تو آیا، زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے ان سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی، آج جب تو میرے حوالہ ہوا ہے تو میرے برتاؤ کو بھی دیکھ لیگا، اس کے بعد وہ اس کو اس طرح سے دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، اور ستر اژدھے اس پر ایسے مسلط ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھونکار مارے تو اس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے، وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں، اسکے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا جنّت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا (مشکوٰۃ)

فائدہ:- اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے، اور موت کا یاد کرنا اس کیلئے

مفید ہے، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے،

حضرت حنظلہ کو نفاق کا ڈر

(۱۱) حضرت حنظلہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضورؐ کی مجلس میں تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہو گئی، حضورؐ کی مجلس سے اُٹھ کر میں گھر آیا بیوی بچے پاس آ گئے اور کچھ دنیا کا تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی، جو حضورؐ کی مجلس میں تھی، دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے سے کس حال میں تھا اب کیا ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو تو منافق ہو گیا کہ ظاہر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آ کر یہ حالت ہو گئی، میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، سامنے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لا رہے تھے میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، وہ یہ سنکر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو، ہرگز نہیں، میں نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضورؐ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضورؐ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں، اور جب حضورؐ کے پاس سے آ جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لئے دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جا کر حنظلہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو منافق ہو گیا، حضورؐ نے فرمایا کیا بات ہوئی؟ حنظلہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپؐ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں، لیکن جب خدمتِ اقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر باہر کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمھارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تمھارے سے

بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہی گاہی گاہی (احیاءلم)

فائدہ:۔ یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، کھانا، پینا، بیوی بچے اور انکی خیر خبر لینا یہ بھی ضروری چیزیں ہیں، اس لئے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں، نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی اُمید رکھنا چاہیئے، یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندا ہی نہیں، نہ بیوی بچے اور نہ فکرِ معاش اور نہ دنیوی قصّے،

اور انسان کے ساتھ چونکہ بشری ضروریات لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا، لیکن غور کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات ہے کہ حضورؐ کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہ بعد میں نہیں رہتی اس سے اپنے منافق ہونے کا اُن کو فکر ہو گیا، عشق است و ہزار بدگمانی، عشق جس سے ہوتا ہے اس کے متعلق ہزار بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے، بیٹے سے محبت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے پھر دیکھئے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے، اور جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا، پھر خدا جانے کتنے خطوط اور تار پہونچیں گے،

تکمیل:۔ قرآن شریف کی آیات اور حضورؐ کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جل شانہ، سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا احاطہ تو دشوار ہے لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ اللہ کا خوف ہی ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے، حضرت ابن عمرؓ بہت رویا کرتے تھے، حتّٰی کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے، ایک مرتبہ ایسا ہی قصّہ پیش آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے،

ایک نوجوان صحابی پر حضورؐ کا گذر ہوا وہ پڑھ رہے تھے، جب فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ پر پہنچے تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے روتے روتے

دم گھٹنے لگا اور کہہ رہے تھے ہاں جس دن آسمان پھٹ جاویں گے (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا، ہائے میری بربادی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے،

ایک انصاری نے تہجد پڑھا اور پھر بیٹھ کر بہت روئے، کہتے تھے اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنم کی آگ کی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلادیا،

عبداللہ بن رَواحہ ایک صحابی ہیں رو رہے تھے، بیوی بھی ان کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگیں، پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم روتے ہو، عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ جہنم پر تو گذرنا ہی ہے نہ معلوم نجات ہوسکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا (قیام اللیل)

زرارۃ بن اوفیٰ ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ الآیہ پر جب پہنچے تو فوراً گر گئے اور انتقال ہوگیا، لوگ اٹھا کر گھر تک لائے، حضرت خلیدؒ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اسکو پڑھوگے تمھارے اس بار بار پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں، ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب وَرُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ پر پہنچے تو ایک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر مر گئے، اور بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے گذرے ہیں، حضرت فضیلؒ مشہور بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ اللہ کا خوف ہر خیر کی طرف رہبری کرتا ہے، حضرت شبلیؒ کے نام سے سب ہی واقف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں اس کی وجہ سے مجھپر حکمت اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے نہیں کھلا

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا، اور دو بیفکریاں نہیں دیتا، اگر دنیا میں مجھ سے بیفکر رہے تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا رہے تو آخرت میں بیفکری عطا کرتا ہوں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے، اور جو غیر اللہ سے

ڈرتا ہے اس کو ہر چیز ڈراتی ہے، یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ آدمی بے چارہ اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے جتنا تنگدستی سے ڈرتا ہی تو سیدھا جنت میں جائے، ابوسلیمان دارانی کہتے ہیں جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے،

حضورؐ کا ارشاد ہی کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو نکل کر چہرہ پر گرتا ہی اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتا ہے، حضورؐ کا ایک اور ارشاد ہی جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں سے پتے جھڑتے ہیں، میرے نبیؐ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا،

حضرت عقبہ بن عامرؓ ایک صحابی ہیں، انھوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو حضرت عائشہؓ نے ایکمرتبہ دریافت کیا کہ آپکی اُمّت میں کوئی ایسا بھی ہی جو بے حساب کتاب جنت میں داخل ہو؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! جو اپنے گناہوں کو یاد کرکے روتا رہے،

میرے آقا کا ایک اور ارشاد ہی کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو، ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ جل شانہٗ اپنا سایہ عطا فرماویں گے، ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے جو رو سکتا ہو وہ روئے اور جس کو رونا نہ آئے وہ رونے کی صورت ہی بنالے محمد بن منکدرؒ جب روتے تھے تو آنسوؤں کو اپنے منہ اور ڈاڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی جہاں آنسو پہنچے ہوں، ثابت بنانی کی آنکھیں دُکھنے لگیں، طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرلو، آنکھ اچھی ہو جاوے گی کہ رویا نہ کرو، کہنے لگے

آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روتی نہیں، یزید بن میسرہؒ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے، خوشی سے، جنون سے، درد سے، گھبراہٹ سے، دکھلاوے سے، نشہ سے اور اللہ کے خوف سے، یہی وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے، کعب احبار کہتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار پر بہنے لگیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کروں،

ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا ہے، اور بہت ہی ضروری اور مفید اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی امید میں بھی کمی نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جہنم میں داخل کر دو تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں، اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جنت میں داخل کر دو تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں، اس لئے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہئے، بالخصوص موت کے وقت میں امید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہئے، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہوا، امام احمد بن حنبلؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ امید بڑھتی ہو،

تیسرا باب ۳

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زہد اور فقر کے بیان میں

اس بارہ میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو

اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ چیز حضورؐ کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی، اتنی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہو، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ فقر مؤمن کا تحفہ ہے،

حضورؐ کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار

(۱) حضورؐ کا ارشاد ہو کہ میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا کہ میرے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جاوے، میں نے عرض کیا اے اللہ! مجھے تو یہ پسند ہو کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں تاکہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیرا شکر کروں تیری تعریف کروں (ترمذی)

فائدہ:۔ یہ اُس ذات مقدس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی امت میں ہونے پر فخر ہے جس کی ہر بات ہمارے لئے قابلِ اتباع ہے،

حضرت عمرؓ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضورؐ کے گذر کی حالت،

(۲) بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا تاکہ اُن کو تنبیہ ہو اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا، لوگوں میں یہ شہرت ہو گئی کہ حضورؐ نے سب کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ اُس وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سُنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضورؐ کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں، بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں، اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لیگئے، وہ بھی مکان میں رو رہی ہیں، فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا، کہ حضورؐ کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کر، اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے، مگر شدتِ رنج سے بیٹھا نہ گیا، تو حضورؐ جس جگہ تشریف فرما تھے اس کے قریب تشریف لے گئے، اور حضرت رباحؓ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دوبارہ کے زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اندر حاضری کی اجازت چاہی، انھوں نے حاضر خدمت ہو کر حضرت عمرؓ کے لئے اجازت مانگی، مگر حضورؐ نے سکوت فرمایا کوئی جواب نہ دیا، حضرت

رباحؓ نے آکر یہی جواب حضرت عمرؓ کو دیدیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا مگر کوئی جواب نہیں ملا، حضرت عمرؓ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے مگر بیٹھا نہ گیا تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباحؓ کے ذریعہ سے اجازت چاہی، اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بیتابی سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے، ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہی ہوتی تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے تو حضرت رباحؓ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی،

حضرت عمرؓ حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے، اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریئے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں خوبصورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے ایک چمڑہ کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی، میں نے سلام کیا اور سب سے اول تو یہ پوچھا کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دیدی، آپؐ نے فرمایا نہیں، اس کے بعد میں نے دلبستگی کے طور پر حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، مگر جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں، انکو دیکھکر قریش کی عورتیں بھی اس سے متأثر ہوگئیں،

اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تبسم کے آثار ظاہر ہوئے میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا، تین چمڑے بغیر دباغت دیئے ہوئے اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے، میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے سوا کچھ نہ ملا، میں دیکھ کر رو دیا حضورؐ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریئے کے نشانات بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں، اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ دعا کیجئے کہ آپؐ کی اُمّت پر بھی وسعت ہو، یہ روم و فارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے اُن پر تو یہ وسعت، یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے حضرت عمرؓ کی یہ بات سنکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمر کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو، سنو! آخرت کی وسعت بہت بہتر ہی، ان کفار کی طیبات اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں، اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے لئے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی (فتح)

فائدہ:۔ یہ دین و دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسولؐ کا طرزِ عمل ہی کہ بورئیے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں، نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں، گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہو گیا، اس پر ایک شخص نے دُعا کی درخواست کی تو تنبیہ فرمائی حضرت عائشہ رضؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپکے گھر میں حضورؐ کا بستر کیسا تھا؟ فرمایا ایک چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، حضرت حفصہؓ سے بھی کسی نے پوچھا کہ آپکے گھر میں حضورؐ کا بستر کیسا تھا؟ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کرکے حضورؐ کے نیچے بچھا دیتی تھی، ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کرکے بچھا دوں تو زیادہ نرم ہو جاوے، چنانچہ ہم نے بچھا دیا، حضورؐ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا تھا، فرمایا اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا، اس کی نرمی رات کو اُٹھنے میں مانع بنتی ہے (شمائل) اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور رُوئیں دار گدوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وسعت فرما رکھی ہی اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے،

حضرت ابوہریرہؓ کی بھوک میں حالت

(۳) حضرت ابوہریرہؓ ایک مرتبہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے کیا کہنے ابوہریرہؓ کے آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرہ کے درمیان بیہوش پڑا ہوا ہوتا تھا، اور لوگ مجنوں سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی،

فائدہ: یعنی بھوک کی وجہ سے کہ کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا بیہوشی

ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا ہے، کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا حضرت ابوہریرہ رض بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے اکثر کئی وقت فاقہ میں گذر جاتے تھے حضورؐ کے بعد اللہ نے فتوحات فرمائیں تو اُن پر تونگری آئی، اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے، ان کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتیں اُن پر تسبیح پڑھا کرتے، جب وہ ساری تھیلی خالی ہو جاتی تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی، اُن کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصّے کر لیتے اور بنمبروار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا (تذکرۃ الحفاظ).

میں نے اپنے والد صاحب سے سُنا کہ میرے دادا صاحب کا بھی تقریباً یہی معمول تھا، کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے، ایک بجے دادا صاحب تہجد کے لئے اُٹھتے تو تقاضا فرما کر والد صاحب کو سُلا دیتے اور خود تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل میرے تائے صاحب کو تہجد کے لئے جگا دیتے اور خود اتباعِ سنّت میں آرام فرماتے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتْبَاعَھُمْ،

حضرت ابوبکر رض کا بیت المال سے وظیفہ

⑦ حضرت ابوبکر صدیق رض کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا، جب خلیفہ بنائے گئے تو حسبِ معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کیلئے تشریف لے چلے، راستہ میں حضرت عمر رض ملے، پوچھا کہاں چلے، فرمایا بازار جا رہا ہوں، حضرت عمر رض نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہو گا؟ فرمایا پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں، عرض کیا کہ ابو عبیدہؓ جن کو حضورؐ نے امین ہونے کا لقب دیا ہے، اُنکے پاس چلیں، وہ آپ کیلئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے، دونوں حضرات اُن کے پاس تشریف لیگئے تو انھوں نے ایک مہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا نہ کم نہ زیادہ وہ مقرر فرما دیا،

ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رض نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خرید دوں، اہلیہ نے عرض کیا کہ

ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچالیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہوجائیگی آپ نے اجازت فرمادی، اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کئے، آپ نے فرمایا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لئے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرمادیا اور آئندہ کے لئے اتنی مقدار جتنا انھوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کردیا،

فائدہ:۔ اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی، جیسا کہ اُس اعلان سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ تجارت میرے اہل وعیال کے خرچ کو نا کافی نہیں تھا لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغول ہے، اس لئے بیت المال سے میرے اہل وعیال کا کھانا مقرر ہوگا اس مشغولی کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالہ کردی جائیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا، بعض روایات میں ایک اوڑھنا ایک بچھونا بھی آیا ہے، یہ اشیا حضرت عمرؓ کے پاس جب نیابت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے (فتح)

حضرت عمرؓ کا بیت المال سے وظیفہ

⑤ حضرت عمرؓ بھی تجارت کیا کرتے تھے جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا، مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع فرماکر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا، اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کردیا اس لئے اب گذارہ کی کیا صورت ہو، لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ چپ بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ تمھاری

کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ توسط کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو جائے، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسط مقدار تجویز ہو گئی، اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علیؓ بھی تھے اور حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ شریک تھے، یہ ذکر آیا کہ حضرت عمرؓ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے، مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اس لئے انکی صاحبزادی حضرت حفصہؓ جو حضورؐ کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُم المؤمنین بھی تھیں انکی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور انکے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں، حضرت حفصہؓ نے جب حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے، حضرت عمرؓ نے نام دریافت کئے، حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے نام معلوم ہو جاتے تو انکے چہرے بدل دیتا، یعنی ایسی سخت سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے، تو ہی بتا کہ حضورؐ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جنکو حضورؐ جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے، پھر فرمایا کہ کونسا کھانا تیری یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا، عرض کیا کہ ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی، ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چپڑ دیا، تو حضورؐ خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، فرمایا کونسا بستر عمدہ ہوتا تھا، جو تیرے یہاں بچھاتے تھے، عرض کیا کہ ایک موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے تھے اور آدھے کو اوڑھ لیتے، فرمایا کہ حفصہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ حضورؐ نے اپنے طرزِ عمل سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا اور امید (آخرت) پر کفایت فرمائی، میں بھی حضورؐ کا اتباع کروں نگا، میری مثال اور میرے دو ساتھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے، پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور

مقصد کو پہنچگیا، دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا وہ بھی پہلے کے پاس پہنچگیا پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلیگا تو انکے ساتھ مل جائیگا، اور اگر انکے طریقہ کے خلاف چلیگا تو کبھی بھی اُن کے ساتھ نہیں مل سکے گا (اشہر)

فائدہ:۔ یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے کانپتے تھے کہ کس زاہدانہ زندگی کے ساتھ عمر گذار دی، ایک مرتبہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لُنگی میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑے کا بھی تھا،

ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو تشریف لاکر معذرت فرمائی، کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں (اشہر)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کھانا نوش فرما رہے تھے غلام نے آکر عرض کیا کہ عتبہ بن ابی فرقد حاضر ہوتے ہیں، آپنے اندر آنیکی اجازت فرمائی اور کھانے کی تواضع فرمائی وہ شریک ہوگئے تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا، انھوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا، آپنے فرمایا کیا سب مسلمان میدہ کھا سکتے ہیں؟ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے فرمایا کہ افسوس تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا ہی میں ختم کردوں (اسد الغابہ)

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں واقعات ان حضرات کرام کے ہیں ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ قوٰی ضعیف ہیں جس کی وجہ سے تحمل بھی ان کا اس زمانہ میں دشوار ہے، اسی وجہ سے اس زمانہ میں مشائخ تصوف ایسے مجاہدوں کی اجازت نہیں دیتے جس سے ضعف پیدا ہو کہ قوتیں پہلے ہی سے ضعیف ہیں، اُن حضرات کو اللہ جل شانہ نے قوتیں بھی عطا فرمائی تھیں،

البتہ یہ ضروری ہے کہ اتباع کی خواہش اور تمنا ضرور رکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے، اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذاتِ دنیا میں بڑھتے جاتے ہیں، اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وسعت میں ہے،

حضرت بلالؓ کا حضورؐ کے لئے ایک مشرک سے قرض

(۶) حضرت بلالؓ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی، حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے میں کسی سے قرض لیکر اس کو کھانا کھلا دیتا، کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے میں کسی سے قرض لیکر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی، ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا، اس سے قرض لینا شروع کر دیا، جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا، ایک مرتبہ میں وضو کر کے اذان کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا او حبشی! میں اُدھر متوجہ ہوا تو ایکدم بے تحاشا گالیاں دینے لگا، اور بُرا بھلا جو مُنہ میں آیا کہا، اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا قریب ختم کے ہے، کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا، یہ کہہ کر چلا گیا، مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہئے تھا وہی گذرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضورؐ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سُنایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ نہ آپکے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں، وہ ذلیل کریگا، اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اُترنے کا انتظام ہو میں کہیں رُوپوش ہو جاؤں، جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا،

یہ عرض کر کے میں گھر آیا تلوار لی، ڈھال اُٹھائی، جوتہ اُٹھایا، یہ ہی سامانِ سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضورؐ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضر

خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اُونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں، حضورؐ نے فرمایا خوشی کی بات سُناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بیباقی کا انتظام فرما دیا، یہ اونٹنیاں بھی تیری حوالے اور ان کا سب سامان بھی، فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لیکر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضورؐ اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں کچھ باقی ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اُس وقت تک نہیں جانے کا جبتک یہ تقسیم نہ ہو جائے تمام دن گذر جانیکے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے ضرورتمند نہیں آئے تو حضورؐ نے مسجد ہی میں آرام فرمایا، دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضورؐ نے فرمایا کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپکو راحت عطا فرمائی وہ سب نمٹ گیا، حضورؐ نے اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا فرمائی، حضورؐ کو ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آجائے اور کچھ حصہ مال کا آپکی مِلک میں رہے، اسکے بعد گھروں میں تشریف لیگئے اور بیویوں سے ملے (بذل)

فائدہ: اللہ والوں کی یہی خواہش رہتی ہے کہ انکی مِلک میں مال ومتاع کچھ نہ رہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کیا پوچھنا جو سارے نبیوں کے سردار سارے اولیاء کے سرتاج، حضورؐ کو اسکی خواہش کیوں نہ ہوتی، کہ میں دنیا سے بالکل فارغ ہو جاؤں میں نے معتبر ذرائع سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہٗ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہو جاتی تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرما دیتے اور وصال سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے خادمِ خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مدظلہٗ کو دیدیتے تھے، اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مستعار لے کر پہن لیا کروں گا،

اور اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے بارہا دیکھا کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ پاس ہوتا وہ کسی قرض خواہ کو دیدیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ یہ جھگڑے کی چیز میں رات کو اپنے پاس نہیں رکھتا، اس نوع کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو، مشائخ کے الوان مختلف ہوتے ہیں، اور چمن کے پھولوں میں ہر پھول کی صورت سیرت ممتاز ہوتی ہے،

حضرت ابوہریرہؓ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا،

(۷) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہو سکے، میں بھوک کی وجہ سے جگر کو زمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا، اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا، ایک مرتبہ میں راستہ میں بیٹھ گیا، جہاں کو ان حضرات کا رستہ تھا، اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی، خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لیتے جائیں گے اور پھر عادتِ شریفہ کے موافق جو موجود ہوگا اس میں تواضع فرمائیں ہی گے، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم ہوگا کہ وہاں بھی کچھ نہیں)، اس کے بعد حضرت عمرؓ تشریف لائے، انکے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے، اور ارشاد فرمایا، ابوہریرہؓ میرے ساتھ آؤ، میں ساتھ ہو لیا، حضورؐ گھر تشریف لیگئے، میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لیکر حاضر ہوا، گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا جو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے، عرض کیا کہ فلاں جگہ سے حضورؐ کے لئے ہدیہ میں آیا ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ابوہریرہؓ جاؤ اہلِ صُفّہ کو بلالاؤ، اہلِ صُفّہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کے نہ گھر تھا نہ در، نہ ٹھکانا، نہ کھانے کا کوئی مستقل انتظام، ان حضرات کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی تھی، مگر اس قصہ کے وقت ستر تھی، حضورؐ کا معمول

؎ یعنی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رح،

یہ بھی تھا کہ انمیں سے دو دو چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنادیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا تو ان لوگوں کے پاس بھیجدیتے، اور خود اسمیں شرکت نہ فرماتے، اور کہیں سے ہدیہ آتا تو انکے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس میں شرکت فرماتے، حضورؐ نے بُلانیکا حکم دیا، مجھے گراں تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہی جس پر سب کو بُلالاؤں، سب کا کیا بھلا ہوگا ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہوگا اور پھر بلانیکے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہوگا، اس لئے نمبر بھی اخیر میں آئیگا، جس میں بچے گا بھی نہیں، لیکن حضورؐ کی اطاعت بغیر چارہ ہی کیا تھا، میں گیا اور سب کو بُلالایا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لے انکو پلا، میں ایک ایک شخص کے پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر ہوکر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا، اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہوگئے، تو حضورؐ نے پیالہ دستِ مبارک میں لیکر مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا، پھر فرمایا کہ بس اب تو میں اور تُو ہی باقی ہیں، میں نے عرض کیا کہ بیشک، فرمایا کہ لے پی، میں نے پیا، ارشاد فرمایا اور پی، میں نے اور پیا، بالآخر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اب میں نہیں پی سکتا اسکے بعد حضورؐ نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا،

حضورؐ کا صحابہؓ سے دو شخصوں کے بارے میں سوال

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گذرا، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہی؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ شریف لوگوں میں ہی، واللہ اس قابل ہی کہ اگر کہیں نکاح کا پیام دیدے تو قبول کیا جائے کسی کی سفارش کردے تو مانی جائے، حضورؐ سنکر خاموش ہوگئے، اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گذرے، حضورؐ نے ان کے متعلق بھی سوال کیا، لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ ایک مسلمان فقیر ہی، کہیں منگنی کرے تو بیاہا نہ جائے، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے،

فائدہ: مطلب یہ ہی کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ بھی وقعت

نہیں رکھتی، ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کوئی بھی وقعت نہ ہو اس کی بات کہیں بھی نہ سُنی جاتی ہو، اللہ کے نزدیک سینکڑوں اُن شرفاء سے بہتر ہے جنکی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو، اور ہر شخص اُن کی بات سننے اور ماننے کو تیار رہو لیکن اللہ کے یہاں اسکی کوئی وقعت نہ ہو، دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے، یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا قیامت آجائیگی، اور دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائیگا، اللہ کے پاک نام ہی کی یہ برکت ہے کہ یہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے،

حضورؐ سے محبت کرنیوالے پر فقر کی دوڑ

⑨ ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے، حضورؐ نے فرمایا دیکھ کیا کہتا ہے، انھوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے، حضورؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب تین مرتبہ یہی سوال وجواب ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کیلئے تیار ہو جاؤ، اس لئے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے جیسا کہ پانی کی رو نچان کی طرف دوڑتی ہے،

فائدہ :- یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اکثر فقر وفاقہ میں رہے ہی اکابر محدثین، اکابر صوفیاء، اکابر فقہا بھی تونگری میں زیادہ نہیں رہے،

سریۃ العنبر میں فقر کی حالت

⑩ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابو عبیدہؓ امیر بنائے گئے تھے بھیجا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی اُن کو دیا پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اور توشہ ختم ہو گیا، حضرت قیسؓ نے جو اس قافلہ میں تھے مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کئے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے، مگر تیسرے دن امیر قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہوگئیں تو واپسی بھی مشکل ہو جائے گی ذبح کی ممانعت کی، اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں جمع کر کے ایک تھیلہ میں رکھ لیں، اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرمایا کرتے جس کو چوس کر یہ حضرا

حضورؐ کے یہاں آتا تھا اس شبہ کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدانخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو، یہ تو آقا کا حال ہے کہ محض شبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی، اب غلاموں کا حال دیکھو کہ رشوت، سود خوری، ڈاکہ ہر قسم کا ناجائز مال کس شرخ روئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامانِ محمدؐ شمار کرتے ہیں،

حضرت ابوبکرؓ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا،

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا، جو غلّہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا، غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے کمایا، آج دریافت نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ، عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا، اور اُن پر منتر پڑھا، انھوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا، آج میرا گذر اُدھر کو ہوا، تو اُنکے یہاں شادی ہو رہی تھی، انھوں نے یہ مجھے دیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا، اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنیکی کوشش کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا نہ نکلا، کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے، ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگایا، اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہانتک کہ وہ لقمہ نکالا، کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں، یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا، میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو بدن مالِ حرام سے پرورش پائے آگ اس کے لئے بہتر ہے مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پا جائے (منتخب کنز العمال)

ف غلام پر کوئی مقدار معین کر دی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوار ہمیں دیدیا کرو باقی جو کماؤ وہ تمہارا ہے یہ غلّہ کہلاتا ہے یہ جائز ہے، اور اس طرح صحابہؓ کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کر لیا جاتا تھا ۱۲

فائدہ:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی، تھوڑا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا تو قے فرماتے، بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانہ جاہلیت میں کوئی کہانت یعنی غیب کی بات نجومیوں کے طور پر کسی کو بتلائی تھی وہ اتفاق سے صحیح ہو گئی، ان لوگوں نے اس غلام کو کچھ دیا جس کو انھوں نے اپنی مقررہ رقم میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو لاکر دیدیا حضرت نے نوش فرمایا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کیا، ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط نے اس مشتبہ مال کو بھی گوارا نہ کیا،

حضرت عمرؓ کی صدقہ کے دودھ سے قے

④ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا تو اس کا مزہ کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا جن صاحب نے پلایا تھا اُن سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے کہاں سے آیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے میں وہاں گیا تو ان لوگوں نے دودھ نکالا جس میں سے مجھے بھی دیا، حضرت عمرؓ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرما دیا (موطا مالک)

فائدہ:۔ ان حضرات کو ہمیشہ اس کا فکر رہتا تھا کہ مشتبہ مال بھی بدن کا جزو نہ بنے چہ جائیکہ بالکل حرام جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہو گیا،

حضرت ابوبکرؓ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

⑤ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں مگر عمر رضؓ نے نہ مانا کہ دقت ہو گی اور تمھاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج ہو گا، اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا اس لئے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض میں دیدیا جائے، جب حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دیدیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شانہٗ تمھارے باپ پر رحم فرمائیں انھوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں (کتاب الاموال)

فائدہ: غور کرنے کی بات ہے کہ اول تو وہ مقدار ہی کیا تھی جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لی، اس کے بعد لینا بھی اہل الرائے کے اصرار سے تھا، اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہو سکتی تھی اس کا اندازہ قصہ نمبر ۴ باب نمبر ۳ سے معلوم ہو گیا کہ بیوی نے تنگی اٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام میٹھے کیلئے جمع کئے تو ان کو بیت المال میں جمع فرما دیا، اور اتنی مقدار مستقل کم کر دی، اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا اس کا بھی معاوضہ داخل کر دیا،

علی بن معبد کا کرایہ کے مکان سے تحریر خشک کرنا

(۶) علی بن معبدؒ ایک محدث ہیں فرماتے ہیں میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کیلئے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے مٹی ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں، پھر خیال آیا کہ مکان کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا نہ مٹی لینے کے واسطے) مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی میں کیا مضائقہ ہے معمولی چیز ہے، میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرما رہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا یہ کہنا کہ معمولی مٹی کیا چیز ہے،

فائدہ: کل معلوم ہوگا کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے درجات بہت زیادہ ہیں کمال درجہ یہ یقیناً تھا کہ اس سے بھی احتراز کیا جاتا، اگرچہ عرفاً معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا (احیاء)

حضرت علیؓ کا ایک قبر پر گذر

(۷) کمیل ایک شخص ہیں کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا وہ جنگل میں پہنچے، پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا حال ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہو گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے یہ تو ہماری خبر ہے، کچھ اپنی تو کہو، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے، یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات

معلوم ہو جاتی ہے (منتخب کنز)

فائدہ:- یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا برا کام کرتا ہے وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ صندوق میں، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں جو میت کے جی بہلانے اور اُنس پیدا کرنے کے لئے رہتا ہے اور اسکی دلداری کرتا ہے، اور بُرے اعمال بُری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اذیت کا سبب ہوتا ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں، اس کا مال جیسا کہ عرب میں دستور تھا، اس کے رشتہ دار اور اسکے اعمال دو چیزیں مال اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آجاتے ہیں عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل و عیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے؟ صحابہؓ کے دریافت فرمانے پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے، اُس وقت ایک بھائی کو وہ بُلائے اور پوچھے کہ بھائی تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے، اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ تیری تیمارداری کروں گا، علاج کروں گا ہر قسم کی خدمت کروں گا، اور جب تو مر جائیگا تو نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کاندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کروں گا، حضورؐ نے فرمایا یہ بھائی تو اہل و عیال ہیں، پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہے، وہ کہتا ہے میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے جب تو مر جائیگا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا، یہ بھائی مال ہے، پھر وہ تیسری بھائی کو بُلا کر پوچھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں، جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا، یہ بھائی عمل ہے،

حضورؐ نے فرمایا اب بتلاؤ کونسا بھائی کارآمد ہے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہی بھائی کارآمد ہے، پہلے دو بے فائدہ ہی رہے (منتخب کنز)

حضورؐ کا ارشاد جس کا کھانا حرام ہو لینا حرام

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ خود پاک ہیں اور پاک ہی مال قبول فرماتے ہیں مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا، چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ	"اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ	"اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ۔"

اس کے بعد حضورؐ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا اور مسافر کی دعاء قبول ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غبار آلود کپڑوں والا، (یعنی پریشان حال)، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے اللہ، اے اللہ اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام ہے پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا تو اس کی دُعاء کہاں قبول ہو سکتی ہے (جمع الفوائد)

فائدہ:۔ لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتی ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اللہ جل شانہٗ اپنے فضل سے کبھی کافر کی بھی دُعاء قبول فرما لیتے ہیں چہ جائیکہ فاسق کی، لیکن متقی کی دُعاء اصل چیز ہے، اسی لئے متقیوں سے دُعاء کی تمنّا کی جاتی ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دُعائیں قبول ہوں اُن کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز کریں اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دعاء مقبول نہ ہو،

حضرت عمرؓ کا اپنی بیوی کو مشک تولنے سے انکار،

(۹) حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مشک آیا، ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ حضرت عاتکہؓ نے عرض کیا میں تول دوں گی، آپ نے

سُنکر سکوت فرمایا تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تاکہ میں تقسیم کر دیتا، آپکی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا، آپنے سکوت فرمایا، تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو،

فائدہ:۔ یہ کمال احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محلِ تہمت سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا، اس لئے اس کے جواز میں کوئی تردد نہ تھا لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کے لئے اس کو گوارا نہ فرمایا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنکو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مشک تولا جارہا تھا تو انھوں نے اپنی ناک بند فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ مشک کا نفع تو خوشبو ہی سُونگھنا ہے (احیاء)

فائدہ:۔ یہ ہے احتیاط اُن صحابہ اور تابعین کی اور ہمارے بڑوں کی پیشوائی کی،

عمر بن عبدالعزیزؒ کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا،

(۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں، عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حاکم کو معزول کر دیا، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے حجاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ بُرا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا (احیاء)

فائدہ:۔ مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے، جو شخص متقیوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر غیر معمولی اور غیر محسوس طریقہ سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے، اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر فسق کا اثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے بُری صحبت سے روکا جاتا ہے، آدمی تو درکنار جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑوں والوں میں ہوتی ہے، اور مسکنت بکری والوں میں (بخاری) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والے کے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مشک

نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت ہوگی اور بُرے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں (جمع)

پانچواں باب

نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع و خضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے، قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوتا ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے ارشادات اس بارہ میں وارد ہیں جو میرے ایک دوسرے رسالہ میں مذکور ہیں،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

(۱) حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے اور کوئی شخص میرا قرب اُس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہے یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سُنے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں (جمع الفوائد)

فائدہ:۔ آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں ہوتی، کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے

؎ یہ رسالہ "فضائلِ نماز" ہے جو "مکتبہ رشیدیہ کراچی" سے مل سکتا ہے ۱۲

مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں،

حضورؐ کا تمام رات نماز پڑھنا

(۲) ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سُنا دیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کی کونسی بات عجیب نہ تھی، ہر بات عجیب ہی تھی ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے پھر فرمانے لگے، لے چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں، یہ فرما کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے، پھر رکوع فرمایا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ کیا اس میں بھی اسی طرح روتے رہے پھر سجدہ سے اُٹھے اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے آکر صبح کی نماز کیلئے آواز دی، میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ اتنے روئے حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گذار بندہ نہ بنوں، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، آل عمران کا اخیر رکوع، (اقامۃ الحجۃ) یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آگیا تھا، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گذار بندہ نہ بنوں (بخاری)

حضورؐ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا،

(۳) حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا، حضورؐ نے مسواک فرمائی وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضورؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، حضورؐ نے سورۃ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی، اور جو آیت رحمت کی آتی حضورؐ اس جگہ دیر تک رحمت کی دُعا مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورۃ کے ختم پر رکوع کیا، اور اتنا ہی لمبا رکوع

کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْعَظْمَةِ پڑھتے جاتے تھے پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے، اسی طرح چار رکعتوں میں سوا چھ سیپارے ہوتے ہیں، یہ کتنی لمبی نماز ہوگی جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعاء کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا، حضرت حُذیفہؓ بھی اپنا ایک قصّہ حضورؐ کے تہجّد کی نماز پڑھنے کا اسی طرح سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں سورۂ بقرہ سے لیکر سورۂ مائدہ کے ختم تک پڑھیں،

فائدہ:۔ ان چار سورتوں کے سوا چھ سیپارے ہوتے ہیں جو حضورؐ نے چار رکعتوں میں پڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی جیساکہ اکثر احادیث میں ہے اس کے ساتھ ہی ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر ٹھہرنا اور دُعاء مانگنا پھر اتنا ہی لمبا رکوع و سجدہ، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہوگا۔ بعض مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آلِ عمران، مائدہ تین سورتیں پڑھیں، جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں، یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کی نمازوں کے حالات،

(۴) مجاہدؒ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا حال نقل کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے، (تاریخ الخلفاء)

یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی، علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انھوں نے حضورؐ سے یعنی جس طرح حضورؐ نماز پڑھتے تھے اسیطرح حضرت ابوبکر صدیقؓ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ بن زبیرؓ،

ثابتؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آکر کمر پر بیٹھ جاتیں، بعض مرتبہ اتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے بعض اوقات سجدہ اتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گذر جاتی،

جب حضرت ابن زبیرؓ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اڑا، اور حضرت ابن زبیرؓ کے حلق اور ڈاڑھی کے درمیان کو گذرا، مگر نہ اُن پر کوئی انتشار ہوا نہ رکوع و سجدہ مختصر کیا، ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا جس کا نام ہاشم تھا پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا وہ چلایا، گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے شور مچ گیا، اُس سانپ کو مارا، ابن زبیرؓ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام پھیر کر فرمانے لگے، کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا، بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم کرے، بچہ کی تو جان بھی گئی تھی تمہیں پتہ ہی نہ چلا، فرمانے لگے، تیرا ناس، اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی (ہدایہ وغیرہ)

حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ میں جب انکے خنجر مارا گیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی، لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کیلئے متنبہ کئے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے،

حضرت عثمانؓ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے (منتخب کنز) حضرت علیؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا، کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، فرمایا کہ اُس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جل شانہ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اُتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے،

خلف بن ایوب سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں نماز میں مکھیاں دِق نہیں کرتیں؟

فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اور اُس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے صبر وتحمل پر اکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارنے میں ہلا تک نہیں میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرجاؤں،

مسلم بن یسار جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو مجھے تمھاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا، ایک مرتبہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، کہ مسجد کا ایک حصہ گرا، لوگ اس کی وجہ سے دوڑے وہاں جمع ہوئے، شور وشغب ہوا مگر اُن کو پتہ ہی نہ چلا،

حاتم اصمؒ سے کسی نے انکی نماز کی کیفیت پوچھی، تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہنچ کر جہاں نماز پڑھوں تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصّے میں سکون پیدا ہو جائے پھر نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اس طرح کہ بیت اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں اور پُل صراط کو پاؤں کے نیچے، جنّت کو دائیں طرف اور جہنّم کو بائیں طرف اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پورے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتا ہوں، اور اسکے بعد امید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نہ معلوم قبول ہوئی یا نہیں (احیاء)

ایک مہاجر اور انصاری کی چوکیداری اور مہاجر کا نماز میں تیر کھانا،

⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کریگا، ایک مہاجری اور ایک انصاری حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے عرض کیا کہ ہم دونوں کرینگے، حضورؐ نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنیکا راستہ ہوسکتا تھا بتادی کہ اس پر دونوں قیام کرو، دونوں حضرات وہاں تشریف لیگئے، وہاں جاکر انصاری نے مہاجری سے کہا کہ رات کو دو حصّوں پر منقسم کرکے ایک حصّہ میں آپ سورہیں میں جاگتا رہوں دوسرے حصّہ میں آپ جاگیں میں سوتا رہوں، کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہوجائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے

اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگا لے، رات کا پہلا آدھا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجری سو گئے، انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی، دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا اور ہر تیر انکے بدن میں گھستا رہا، اور یہ ہاتھ سے اس کو بدن سے نکال کر پھینکتے رہے، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا، وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نہ معلوم کتنے ہوں، مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا، مہاجری نے فرمایا سبحان اللہ تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگا لیا، انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورۃ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں، اب بھی مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو میں بار بار تیر لگنے سے مر جاؤں، اور حضورؐ نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت ہو جائے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مر جاتا مگر سورۃ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا (بیہقی، ابوداؤد)

فائدہ:- یہ تھی ان حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے مگر نماز کے لطف میں فرق نہ پڑے، ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے بھِڑ کا تو پوچھنا ہی کیا۔

یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، ممکن ہے ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

ابو طلحہ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا۔

(۶) حضرت ابو طلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک پرندہ اڑا اور چونکہ باغ گنجان تھا اس لئے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا، کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف اُڑتا رہا اور نکلنے کا

راستہ ڈھونڈھتا رہا اُنکی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے اُدھر خیال لگ گیا اور نگاہ اس پرندہ کے ساتھ پھرتی رہی، دفعۃً نماز کا خیال آیا تو سہو ہو گیا کہ کونسی رکعت ہے نہایت قلق ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی، فوراً حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ عرض کر کے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی، اس لئے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپ جہاں دل چاہے اس کو صرف فرما دیجئے،

اسی طرح ایک اور قصہ حضرت عثمان رض کے زمانہ خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب پر تھا اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونیکی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، خیال اُدھر لگ گیا جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کے رکعتیں ہوئیں، اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی، چنانچہ حضرت عثمان رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اس کو جو چاہے کیجئے، انھوں نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرما دی (موطا امام مالک)

فائدہ:۔ یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آجانیسے پچاس ہزار درم کا باغ ایک دم صدقہ کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "قولِ جمیل" میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت ہے اللہ کی اطاعت کو ماسوٰی پر مقدم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی اطاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کیوں ہوئی،

حضرت ابن عباس رض کا نماز کیوجہ سے آنکھ نہ بنوانا

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رض کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا تو آنکھ بنانیوالے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنا دیں لیکن پانچ دن تک آپکو احتیاط کرنا پڑیگی کہ سجدہ بجائے زمین کے

کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا، انھوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، واللہ ایک رکعت بھی اس طرح پڑھنا مجھے منظور نہیں حضورؐ کا ارشاد مجھے معلوم ہو کہ جو شخص ایک نماز بھی جانکر چھوڑ دے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح ملیگا کہ حق سبحانہٗ و تقدس اس پر ناراض ہونگے (درمنثور)

فائدہ:۔ اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنیکی وعید میں داخل نہیں ہوتی، مگر حضرات صحابہؓ کو نماز کیساتھ جو شغف تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کی جس قدر اہمیت تھی اس کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا کہ ان حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی، آج ہم بیحیائی سے جو چاہیں ان مرمٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں جب کل ان کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اڑا رہے ہوں گے جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا،

صحابہ کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہوگیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دکانیں بند کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورہ نور پارہ ۱۸) ترجمہ پوری آیتِ شریفہ کا یہ ہے کہ "ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا، وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی (ماخوذ از بیان القرآن)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے لیکن جب اذان کی آواز سنتے تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے ایک جگہ کہتے ہیں خدا کی قسم! یہ لوگ تاجر تھے مگر انکی تجارت انکو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہوگئی، انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیے،

ابن مسعودؓ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جل شانہ نے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے یاد فرمایا،

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہٗ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنیوالے تھے، تو ایک مختصر جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیگی، پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خوابگاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کیساتھ یاد کرتے تھے، تو ایک دوسری مختصر جماعت اُٹھے گی، اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیگی، پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جنکو تجارت یا بیع اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا، تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی، اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگی، اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہو جائیگا (درمنثور)

حضرت خبیبؓ کے قتل کیوقت نماز اور زیدؓ و عاصمؓ کا قتل

(۹) اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے انکے عزیزوں میں انتقام کا جوش زور پر تھا، سلافہ نے جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے منت مانی تھی اگر عاصمؓ کا (جنھوں نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سر ہاتھ آجائے تو اسکی کھوپڑی میں شراب پیونگی، اس لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصمؓ کا سر لائیگا اسکو سو اونٹ انعام دونگی، سفیان بن خالد کو اس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ اُن کا سر لانیکی کوشش کرے، چنانچہ اس نے عضل و قارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا، ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدسؐ سے تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی اور حضرت عاصمؓ کے بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی، کہ ان کا وعظ پسندیدہ بتلایا، چنانچہ حضورؐ نے دس آدمیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو انکے ساتھ کر دیا جنمیں حضرت عاصمؓ بھی تھے، راستہ میں جا کر اُن لیجانیوالوں نے بدعہدی کی اور دشمنوں کو مقابلہ کے لئے بلایا جو دو سو آدمی تھے، اور انہیں سے سو آدمی بہت مشہور تیر انداز تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے ان حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کیلئے بھیجا تھا،

راستہ میں بنو لحیان کے دو سو آدمیوں سے مقابلہ ہوا، یہ مختصر جماعت دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی یہ حالت دیکھکر ایک پہاڑی پر جس کا نام فدفد تھا چڑھ گئی، کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہلِ مکہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں تم ہمارے ساتھ آجاؤ ہم تم کو قتل نہ کریں گے، مگر انھوں نے کہا کہ ہم کافر کے عہد میں آنا نہیں چاہتے، اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا حضرت عاصمؓ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا کہ تم سے دھوکہ کیا گیا، مگر گھبرانیکی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو، تمھارا محبوب تمھارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمھاری منتظر ہیں،

یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا مقابلوں کا مجمع کثیر تھا آخر شہید ہو گئے اور دعاء کی کہ یا اللہ اپنے رسولؐ کو ہمارے قصہ کی خبر کر دے، چنانچہ یہ دعاء قبول ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضورؐ کو ہو گیا، اور چونکہ عاصمؓ یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی منت مانی ہے مرتے وقت دعاء کی کہ یا اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جا رہا ہے، تو ہی اس کا محافظ ہے، وہ دعاء بھی قبول ہوئی، اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول بھیجدیا، جنھوں نے انکے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو آئی اور اُن کی نعش کو بہا کر لے گئی، اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے، غرض تین باقی رہ گئے، حضرت خبیبؓ، اور زید بن دثنہؓ اور عبد اللہ بن طارقؓ ان تینوں حضرات سے پھر انھوں نے عہد و پیمان کیا کہ تم نیچے آجاؤ ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار نے انکی کمانوں سے تانت اتار کر انکی مشکیں باندھیں، حضرت عبد اللہ بن طارقؓ

نے فرمایا کہ یہ پہلی بد عہدی ہی میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونیوالوں کا اقتدار ہی مجھے پسند ہی، انھوں نے زبردستی انکو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے توان لوگوں نے انکو بھی شہید کر دیا، صرف دو حضرات انکے ساتھ رہے جن کو لیجا کر ان لوگوں نے مکّہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایک حضرت زید بن دثنہ رضؓ جن کو صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خریدا تاکہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلہ میں قتل کری، دوسرے حضرت خبیب رضؓ جن کو حجیر بن ابی اہاب نے سَو اونٹ کے بدلے میں خریدا تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں انکو قتل کرے،

بخاری شریف کی روایت ہی کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا، صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید رضؓ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیجدیا کہ قتل کر دیئے جائیں، اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھا، اس نے حضرت زید رضؓ سے شہادت کیوقت پوچھا، اے زید! تجھے خدا کی قسم! سچ کہنا کیا تجھ کو یہ پسند ہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن تیرے بدلہ میں ماردیجائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال میں خوش و خرّم رہی، حضرت زید رضؓ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں وہیں ان کے ایک کانٹا بھی چُبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں، یہ جواب سنکر قریش حیران رہ گئے، ابوسفیان نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو جتنی اُن سے محبت دیکھی اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی، اس کے بعد حضرت زید رضؓ شہید کر دیئے گئے،

حضرت خبیب رضؓ ایک عرصہ تک قید میں رہے، حجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہو گئیں کہتی ہیں کہ جب خبیب رضؓ ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب رضؓ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے تھے اور مکّہ میں اُس وقت انگور بالکل نہیں تھا، وہی کہتی ہیں کہ جب اُن کے قتل کا وقت قریب آیا تو انھوں نے صفائی کیلئے اُسترہ مانگا وہ دیدیا گیا، اتفاق سے ایک کم سن بچّہ اس وقت خبیب رضؓ کے پاس چلا گیا، اُن لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ انکے ہاتھ میں ہے

اور بچہ انکے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائی خبیبؓ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دونگا ایسا نہیں کر سکتا، اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لایا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ، انھوں نے فرمایا کہ مجھو اتنی مہلت دیجئے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت آ گیا اور اللہ جلّ شانہٗ کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دیگئی انھوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کیوجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا،

اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے تو انھوں نے دعا کی یا اللہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا آخری سلام پہنچا دے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اسی وقت سلام پہنچایا گیا، حضورؐ نے فرمایا وعلیکم السلام یا خبیبؓ اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا،

حضرت خبیبؓ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو چالیس کافروں نے نیزے لیکر چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا، اس پر کسی نے قسم دیکر یہ بھی پوچھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں، انھوں نے فرمایا واللہ العظیم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں ایک کانٹا بھی حضورؐ کے چبھے (فتح اسلام)

فائدہ:۔ یوں تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے، لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور سے قابلِ قدر قابلِ عبرت ہیں، ان حضرات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضورؐ کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہنچ جائے، اس لئے کہ حضرت خبیبؓ سے صرف زبان سے ہی کہلانا چاہتے تھے، اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا، ورنہ بدلہ میں حضورؐ کو تکلیف پہنچانے پر تو ان کفار کو بھی قدرت نہ تھی، بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہتے تھے، جس میں بدلہ بے بدلہ سب برابر تھا، دوسری چیز نماز کی عظمت، اور اس کا شغف کہ ایسے آخری

وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے، صورت دیکھنا چاہتا ہے، پیام وسلام کہتا ہے، مگر ان حضرات کو پیام وسلام دینا ہے تو حضورؐ کو اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی،

حضورؐ کی جنت میں معیت کے لئے نماز کی مدد

(۱۰) حضرت ربیعہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات گذارتا تھا اور تہجدؔ کیوقت وضو کا پانی دوسری ضروریات مثلاً مسواک مصلیٰ وغیرہ رکھتا تھا، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جنتؔ میں آپکی رفاقت، آپنے فرمایا اور کچھ کہ بس یہی چیز مطلوب ہے، آپنے فرمایا اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت سے (ابو داؤد)

فائدہ:۔ اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ صرف دعاء پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھنا چاہیے، بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے، اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اس کی کثرت ہوگی اتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے، جو لوگ اس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر فلاں بزرگ سے دعاء کرائیں گے سخت غلطی ہے، اللہ جلّ شانہ نے اس دنیا کو اسباب کیساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کیواسطے کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں، لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے ہیں، حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر اور صرف دُعاء پر بھروسہ کرکے نہیں بیٹھتے، بچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں، مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دُعاء بیچ میں آجاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعاء نہایت اہم ہے، مگر حضورؐ نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعاء کی مدد کرنا۔

چھٹا باب

ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایثار کہتے ہیں اپنی ضرورت کیوقت دوسرے کو ترجیح دینا، اول تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر ادا ہر عادت ایسی ہی ہے کہ جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہوجائے تو عین سعادت ہی، لیکن بعض عادتیں انمیں ایسی ممتاز ہیں کہ انہی کا حصہ تھیں، انکے منجملہ ایثار ہی کہ حق تعالیٰ شانہ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو اُن پر فاقہ ہی ہو،

صحابی کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

(۱) ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی، حضورؐ نے انکے گھروں میں آدمی بھیجا کہیں کچھ نہ ملا تو حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہی جو اُنکی ایک رات کی مہمانی قبول کرے، ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں مہمانی کروں گا، ان کو گھر لیگئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضورؐ کے مہمان ہیں جو اکرام کرسکے اس میں کسر نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا، بیوی نے کہا خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہی، اور کچھ بھی گھر میں نہیں، صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سُلا دیجیو، اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لیکر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تو چراغ کے درست کرنیکے بہانے سے اُٹھ کر اس کو بجھا دینا،

چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گذاری جس پر یہ آیت یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی (ترجمہ) ”اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو“

فائدہ:- اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جو صحابہؓ کے یہاں پیش آئے، چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے،

روزہ دار کیلئے چراغ بجھا دینا

(۲) ایک صحابی روزہ پر روزہ رکھتے تھے، افطار کیلئے کوئی چیز کھانے کی میسّر نہ آتی تھی، ایک انصاری صحابی حضرت ثابتؓ نے تاڑ لیا، بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا، جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، ساتھ میں سب شریک رہے، جیسے کھا رہے ہوں صبح کو حضرت ثابتؓ جب حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ رات کا تمھارا اپنے مہمان کیساتھ برتاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند آیا (درمنثور)

ایک صحابی کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

(۳) ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کیلئے بھیجا، میں ایک صاحب کے پاس گیا، اور ان سے انکے مال کی تفصیل معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچّہ ایک سالہ واجب تھا، میں نے اُن سے اس کا مطالبہ کیا، وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچّہ نہ دودھ کے کام کا نہ سواری کے کام کا، انھوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لیجاؤ، میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں، البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہیں، اور آج کا پڑاؤ فلاں جگہ تمھارے قریب ہی ہے حضورؐ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو اگر منظور فرما لیا تو مجھے انکار نہیں ورنہ میں معذور ہوں،

وہ اس اونٹنی کو لیکر میرے ساتھ ہو لئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے پاس آپکے قاصد زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آجتک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہؐ یا انکے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرّف فرمایا ہو، اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا، انھوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچّہ زکوٰۃ کا واجب ہے، حضورؐ ایک سال کے بچّہ سے نہ تو دودھ ہی کا نفع ہے نہ سواری کا، اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی، جس کو انھوں نے قبول

نہیں فرمایا اس لئے میں خود لیکر حاضر ہوا ہوں، حضورؐ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انھوں نے بتلائی، مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ مال دو تو قبول ہے اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت فرمائیں، انھوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہی، حضورؐ نے قبول فرمالیا، اور برکت کی دُعاء فرمائی،

فائدہ:۔ یہ زکوٰۃ کے مال کا منظر ہی، آج بھی اسلام کے بہت سے دعویدار ہیں اور حضورؐ کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہی، پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہی، جو اونچے طبقہ والے زیادہ مال والے کہلاتے ہیں اُنکے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں، لیکن جو متوسط حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنی کو دیندار بھی سمجھتے ہیں وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آجائے اس میں زکوٰۃ ہی کی نیت کرلیں،

حضرات شیخین کا صدقہ میں مقابلہ

(۴) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنیکا حکم فرمایا اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا، میں نے کہا آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہی، اگر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤنگا، یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا، حضورؐ نے فرمایا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا، میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا، حضورؐ نے فرما آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا آدھا چھوڑ آیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے، حضورؐ نے فرمایا ابوبکر گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا!؟ انھوں نے فرمایا اُن کیلئے اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا، یعنی اللہ اور اس کے رسول پاکؐ کے نام کی برکت اور انکی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے کہا حضرت ابوبکرؓ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا،

فائدہ:۔ خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا تاکہ دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مستحسن اور مندوب ہی، قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہی، یہ قصہ غزوہ تبوک کا ہی اس وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی خاص طور سے ترغیب فرمائی تھی

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے حوصلہ کیموافق بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں فرمائیں جن کا ذکر باب ۲ قصہ ۹ میں بھی مختصر طور پر گذر اہی، جزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء،

صحابہؓ کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا،

(۵) ابوجہم بن حذیفہؓ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں، اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جانکنی شروع تھی، میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں، انھوں نے اشارہ سے ہاں کی، اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی، میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے انکے پاس جانیکا اشارہ کیا، میں انکے پاس پانی لیکر گیا، وہ ہشام بن ابی العاصؓ تھے، اُنکے پاس پہنچا ہی تھا کہ انکے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے انھوں نے آہ کی، ہشامؓ نے مجھے انکے پاس جانے کا اشارہ کر دیا میں انکے پاس پانی لیکر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا، ہشامؓ کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے، ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (درایۃ)

فائدہ:۔ اس نوع کے متعدد واقعات کتب حدیث میں ذکر کیے گئے، کیا انتہا ہی اس ایثار کی کہ اپنا بھائی آخری دم توڑ رہا ہو اور پیاسا ہو ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہی چہ جائیکہ اس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنیوالوں کی روحوں کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و فضل سے نوازیں کہ مرنیکے وقت بھی جب ہوش و حواس بھی جواب دیتے ہیں یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں،

حضرت حمزہؓ کا کفن

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، اور بے دردکافروں نے آپکے کان ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دیئے، اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کیے، لڑائی کے ختم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ شہیدوں کی نعشیں تلاش فرما کر انکی تجہیز و تکفین کا

انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہ رضؓ کو اس حالت میں دیکھا نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے انکو ڈھانکدیا اتنے میں حضرت حمزہ رضؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ رضؓ تشریف لائیں کہ اپنی بھائی کی حالت کو دیکھیں حضورؐ نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں کے دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا، انکے صاحبزادہ حضرت زبیر رضؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کردو، انھوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضورؐ نے دیکھنے سے منع فرما دیا، انھوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میری بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے اللہ کے راستہ میں یہ کونسی بڑی بات ہے ہم اس پر راضی ہیں میں اللہ سے ثواب کی اُمید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کرونگی، حضرت زبیر رضؓ نے حضورؐ سے جاکر اس کلام کو ذکر کیا تو حضورؐ نے اس جواب کو سُنکر دیکھنے کی اجازت عطا فرمادی، آکر دیکھا انا للہ پڑھی اور انکے لئے استغفار اور دُعا کی،

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ اُحد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آرہی تھی، حضورؐ نے فرمایا دیکھو عورت کو روکو، حضرت زبیر رضؓ کہتے ہیں میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں میں جلدی سے روکنے کیلئے بڑھا، مگر وہ قوی تھیں ایک گھونسہ میری مارا اور کہا پرے ہٹ، میں نے کہا کہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہوگئیں، اس کے بعد دو۲ کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کیلئے لائی تھی کہ میں انکے انتقال کی خبر سُن چکی تھی ان کپڑوں میں اُنکو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ کپڑے لیکر حضرت حمزہ رضؓ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیل رضؓ تھا، اُن کا بھی کفار نے یہی حال کر رکھا تھا، جیسا حضرت حمزہ رضؓ کا تھا ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضؓ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جاوے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو، اس لئے ہم نے دونوں کیلئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا، مگر ایک کپڑا انمیں بڑا تھا دوسرا چھوٹا، تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجاتا وہ اُنکے کفن میں لگایا جاوے، قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضؓ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ رضؓ کے حصہ میں آیا جو اُنکے قد سے بھی کم تھا، کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈالدو (خمیس)
ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہؓ جب دو کپڑے لیکر حضرت حمزہؓ کی نعش پر پہنچیں تو اُن کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا، حضرت حمزہ کا کپڑا بڑا تھا، یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصّل ہے،

فائدہ:- یہ دو جہاں کے بادشاہؐ کے چچا کا کفن ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لئے دو کپڑے دیتی ہیں، اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے، ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے، اور ادھر چھوٹا کپڑا اس شخص کے حصہ میں آتا ہے جو کسی وجہ سے ترجیح کا استحقاق بھی رکھتا ہے، غریب پروری اور مساوات کے دعویدار اگر اپنے دعووں میں سچے ہیں تو ان پاک ہستیوں کا اتباع کریں جو کہہ کر نہیں بلکہ کر کے دکھا گئے۔ ہم لوگوں کو اپنے لئے انکا پیرو کہنا بھی شرم کی بات ہے

بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا

⑦ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکری کی سری ہدیہ کے طور پر دی، انھوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورتمند ہیں کنبہ والے ہیں وہ اور انکے گھروالے زیادہ محتاج ہیں، اس لئے انکے پاس بھیجدی انکو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اور انکے پاس بھیجدی غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی (در منثور)

فائدہ:- اس قصہ سے ان حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرورتمند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسری کی ضرورت اپنے سے مقدم معلوم ہوتی تھی،

حضرت عمرؓ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا

⑧ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے،

سلام کرکے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ایک مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں، دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے، ان صاحب نے کہا میاں جاؤ اپنا کام کرو، آپنے اصرار فرمایا کہ نہیں بتادو کچھ تکلیف کی آواز ہے، ان صاحب نے کہا کہ عورت کی ولادت کا وقت قریب ہے، دردزہ ہو رہا ہے آپنے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے؟ انھوں نے کہا کوئی نہیں آپ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لیگئے اور اپنی بیوی حضرت اُم کلثومؓ سے فرمایا کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمھارے لئے آئی ہے، انھوں نے پوچھا کیا ہے؟ آپنے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے اس کو دردزہ ہو رہا ہے،

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں تمھاری صلاح ہو تو میں تیار ہوں اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدۃ فاطمہؓ کی ہی صاحبزادی تھیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ولادت کیواسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو تیل، گودڑ وغیرہ لیلو، اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لیلو، وہ لیکر چلیں، حضرت عمرؓ خود پیچھے پیچھے ہو لئے وہاں پہنچکر حضرت اُمِّ کلثومؓ تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ نے آگ جلاکر اس ہانڈی میں دانے اُبالے، گھی ڈالا، اتنے میں ولادت سے فراغت ہوگئی، اندر سے حضرت ام کلثومؓ نے آواز دے کر عرض کیا امیرالمؤمنین اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجیے، امیرالمؤمنین کا لفظ جب اُن صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے، آپنے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلادیں، حضرت ام کلثومؓ نے اس کو کھلایا، اس کے بعد ہانڈی باہر دیدی، حضرت عمرؓ نے اُس بدو سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ، رات بھر تمھاری جاگنے میں گذرگئی، اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لیکر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمادیا کہ کل آنا تمھارے لئے انتظام کردیا جائیگا (اشہر)

فائدہ :- ہمارے زمانہ کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں کوئی معمولی حیثیت کا مالدار بھی ایسا ہی جو غریب کی ضرورت میں مسافر کی مدد کیواسطے اس طرح بیوی کو رات

کو جنگل میں لیجائے اور خود اپنے آپ چوطھا دھونک کر بچائے، مالدار کو چھوڑتیے کوئی دیندار بھی ایسا کرتا ہے، سوچنا چاہیے کہ جن کے نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں کوئی کام بھی ہم اُن جیسا کر لیتے ہیں،

ابو طلحہؓ کا باغ وقف کرنا

⑨ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہؓ انصاری مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑی باغ والے تھے انکا ایک باغ تھا جس کا نام بیرحاء تھا وہ انکو بہت ہی زیادہ محبوب تھا، مسجد نبویؐ کے قریب تھا پانی بھی اس میں نہایت شیریں تھا اور افراط سے تھا حضورؐ بھی اس باغ میں اکثر تشریف لیجاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے، جب قرآن شریف کی آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (ترجمہ) "تم نیکی (کے کامل درجہ) کو نہیں پہنچ سکتے جبتک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کروگے جو تم کو پسند ہیں" تو ابو طلحہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیرحاء سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اس لئے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں آپ جیسا مناسب سمجھیں اسکے موافق اس کو خرچ فرمادیں، حضورؐ نے بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہلِ قرابت میں تقسیم کردو، ابو طلحہؓ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا (درمنثور)

فائدہ:- ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائداد کوئی ایک آدھ وعظ سن کر قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سنکر اس طرح بیدھڑک خیرات کر دیتے ہیں، اگر وقف وغیرہ کرنیکا خیال بھی آتا ہے تو زندگی سے مایوس ہوجانیکے بعد یا وارثوں سے خفا ہو کر انکو محروم کرنیکی نیت سے اور برس کے برس اس سوچ میں لگادیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوجائے کہ میری زندگی میں تو میرے ہی کام آئے، بعد میں جو ہو وہ ہوتا رہی ہاں نام و نمود کی کوئی چیز ہو بیاہ شادی کی تقریب ہو تو سودی قرض سے بھی انکار نہیں،

ابوذرؓ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا

⑩ حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں جن کے اسلام لانیکا قصہ باب ۱ کے ۵ پر گذر چکا، یہ بڑے زاہد لوگوں میں تھے، مال نہ اپنے پاس

جمع رکھتے تھے نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے، مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی اس لئے حضرت عثمان رضؓ کے حکم سے ربذہ میں رہنے لگے تھے جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی،

حضرت ابوذر رضؓ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتوان ضعیف سا چرواہا تھا جو اُن کی خبرگیری کرتا تھا اسی پر گذر تھا، ایک شخص قبیلہ بنو سلیم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنا ظاہر کی کہ میں آپکی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپکے فیوض سے استفادہ حاصل کروں میں آپکے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا، اور آپکی برکات سے فائدہ بھی حاصل کرونگا، حضرت ابوذر رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے اگر تم بھی میری اطاعت کے لئے تیار ہو شوق سے رہو کہنا نہ مانو تو تمھاری ضرورت نہیں، سلیمی صاحب نے عرض کیا کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز میں خرچ کا حکم کروں تو عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا، اتفاق سے ایک دن ان سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورتمند ہیں کھانے کے محتاج ہیں مجھ سے فرمایا کہ ایک اونٹ لے آؤ، میں گیا میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کارآمد اور سواری میں مطیع، میں نے حسب وعدہ اسکو لے جانیکا ارادہ کیا، مگر مجھے خیال ہوا کہ غرباء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کارآمد ہے حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا ہے اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی لیکر حاضرِ خدمت ہوا، فرمایا کہ تم نے خیانت کی، میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اونٹ لے گیا، پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں، دو آدمی اُٹھے انھوں نے اپنے کو پیش کیا، فرمایا اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں اُن کو شمار کرکے ابوذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کردو، میرے گھر بھی اتنا ہی جائے جتنا انمیں سے ہر گھر میں جائے، انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور تقسیم کردیا، اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا؟ اگر

بھول گیا تھا تو معذور ہو میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، میں نے اوّل اسی اونٹ کو لیا تھا، مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کار آمد ہے، آپکو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا، فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا؟ عرض کیا کہ محض آپکی ضرورت سے چھوڑا تھا، فرمایا اپنی ضرورت کا دن بتاؤں، میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤنگا وہ دن میری ضرورت اور احتیاج کا ہے، مال کے اندر تین حصہ دار ہیں، ایک تقدیر جو مال کے لیجانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، اچھا برا ہر قسم کا لیجاتی ہے، دوسرا وارث جو اسکے انتظار میں ہے تو مرے تو وہ لیلے، اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے اگر ہوسکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۵ اس لئے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں، تاکہ وہ میرے لئے جمع رہے (در منثور)

فائدہ:- "تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن" کا یہ مطلب ہے کہ جو ہو سکے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ جمع کرلے ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آجائے اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے، یا تو مرجائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آجائے کہ بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، آل اولاد بیوی بچے سب تھوڑے بہت دنوں رو کر چپ ہو جائیں گے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کیلئے بھی کچھ صدقہ خیرات کردیں اور اس کو یاد رکھیں، ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھالیا اور ختم کردیا یا پہن لیا اور پرانا کردیا، یا اللہ کے راستہ میں خرچ کردیا اور اپنے لئے خزانہ میں جمع کردیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے لوگوں کے لئے جمع کر رہا ہے،

ایک حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے دریافت فرمایا تم میں سے ایسا کون شخص ہے جسکو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھا لگے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ایسا کون ہوگا جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو، حضورؐ نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے بھیجدیا جائے اور جو چھوڑدیا وہ وارث کا مال ہے (مشکوٰۃ)

حضرت جعفرؓ کا قصہ

(۱۱) حضرت جعفر طیارؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی ہیں اول تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان بلکہ آل و اولاد سخاوت و کرم شجاعت و بہادری میں ممتاز رہی اور رہیں، لیکن حضرت جعفرؓ مساکین کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا، کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اول حبشہ کی ہجرت کی اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی جس کا قصہ پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گذرا، وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آرہا ہے،

ان کے انتقال کی خبر پر حضورؐ انکے گھر تعزیت کے طور پر تشریف لے گئے، اور اُن کے صاحبزادوں عبد اللہ اور عون اور محمد کو بلایا وہ سب کم عمر تھے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دُعاء فرمائی، ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا، مگر عبد اللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا، اسی وجہ سے اُن کا لقب قطب السخا، سخاوت کا قطب تھا، سات برس کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئی، انہی عبد اللہ بن جعفرؓ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے یہاں سفارش کرائی، انکی سفارش پر اس کا کام ہوگیا، تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے انھوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا کرتے،

ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے ایک تاجر بہت سی شکر لیکر آیا مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی اس کو فکر و رنج ہوا، عبد اللہ بن جعفرؓ نے اپنے کارندہ سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لُٹا دو، رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا وہ انکے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا (اصابہ)

حضرت زبیرؓ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبد اللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اُسی دن شہید ہوگئے، صاحبزادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے، اور یہ قرضہ بھی اسی طرح ہوا تھا کہ امانتدار بہت مشہور تھے

لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں یہ رقم قرض ہے جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا، یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہدینا، عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے تمام قرضہ ادا کیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی دقت پیش آتی میں کہتا اے زبیرؓ کے مولیٰ فلاں کام نہیں ہوتا وہ فوراً ہو جاتا، یہ عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درم لکھے ہیں، کہنے لگے جب چاہو لے لو، اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے اُن کے ذمہ ہیں، کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے کہ جب تمہیں سہولت ہو دیدینا میں نے کہا اس کے بدلہ میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں زمین بہت سی آئی ہوئی تھی، عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا اچھا میں نے ایک زمین ان کو دیدی جو معمولی حیثیت کی تھی، پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا، انھوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلّٰی بچھا دے اس نے مصلّٰی بچھا دیا، دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو، اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا (اسد الغابہ)

فائدہ:۔ ان حضرات صحابہ کرامؓ کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں کوئی بڑی بات نہ تھی، ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

ساتواں باب

بہادری اور دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مرنے ہی کے سر ہو جائے تو پھر سب کچھ کر سکتا ہے، ساری بزدلی سوچ فکر زندگی ہی کے واسطے ہے، اور جب مرنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے

تو نہ مال کی محبت رہے نہ دشمن کا خوف کاش مجھے بھی ان سچوں کے طفیل یہ دولت نصیب ہو جاتی،

ابن جحش اور ابن سعد کی دعاء (۱) حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ نے غزوۂ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ سے کہا کہ اے سعد آؤ مل کر دعاء کریں، ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعاء کرے دوسرا آمین کہے، کہ یہ قبول ہونیکے زیادہ قریب ہے، دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعاء فرمائی، اوّل حضرت سعدؓ نے دُعاء کی یا اللہ جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ والا ہو وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زور دار حملہ کروں پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستہ میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں، حضرت عبداللہ رضؓ نے آمین کہی،

اس کے بعد حضرت عبداللہ رضؓ نے دُعاء کی اے اللہ کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ والا ہو میں اس پر شدت سے حملہ کروں وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے پھر میرے ناک کان کاٹ لے، پھر قیامت میں جب تیرے حضور میں پیشی ہو تو تو کہے کہ عبداللہ رضؓ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں یا اللہ تیرے اور تیرے رسولؐ کے راستہ میں کاٹے گئے، پھر تو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستہ میں کاٹے گئے، حضرت سعد رضؓ نے آمین کہی، دوسرے دن لڑائی ہوئی، اور دونوں حضرات کی دُعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں (خمیس) سعد رضؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضؓ کی دُعاء میری دعاء سے بہتر تھی، میں نے شام کو دیکھا کہ انکے ناک کان ایک تاگے میں پرے ہوئے ہیں، اُحد کی لڑائی میں انکی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی، حضورؐ نے انکو ایک ٹہنی عطا فرمائی جو اُن کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی، اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دو سو دینار کو فروخت ہوئی (اصابہ) دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے

فائدہ: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے وہاں دوسری جانب کمالِ عشق بھی ہے کہ محبوب کے راستہ میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر میں جب وہ پوچھیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں عرض کروں کہ تمھارے لئے ۵

رہیگا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشہ کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

احد کی لڑائی میں حضرت علیؓ کی بہادری

(۲) غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی، جس کا ذکر باب ۱ قصہ ۲ میں گذر چکا، اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آگئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کے جتھے کے بیچ میں آگئے، اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضورؐ شہید ہو گئے، صحابہؓ اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بھاگے بھی اور اِدھر اُدھر متفرق ہو گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں نے حضورؐ کو اوّل زندوں میں تلاش کیا نہ پایا، پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا وہاں بھی نہ پایا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ حضورؐ لڑائی سے بھاگ جائیں، بظاہر حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے اس لئے اپنے پاک رسولؐ کو آسمان پر اُٹھا لیا، اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لیکر کافروں کے جتھے میں گھس جاؤں، یہاں تک کہ مارا جاؤں، میں نے تلوار لیکر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے، اور میری نگاہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی، تو بیحد مسرت ہوئی، اور میں نے سمجھا کہ اللہ جل شانہٗ نے ملائکہ کے ذریعہ سے اپنے محبوب کی حفاظت کی، میں حضورؐ کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفّار کی حضورؐ پر حملہ کے لئے آئی، حضورؐ نے فرمایا کہ علیؓ ان کو روکو، میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے مُنہ پھیر دیئے اور بعضوں کو قتل کر دیا، اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضورؐ پر حملہ کی نیت سے بڑھی، آپ نے پھر حضرت علیؓ کی طرف اشارہ فرمایا، انھوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا، اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آکر حضرت علیؓ کی اس جوانمردی اور مدد کی

تعریف کی تو حضورؐ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں) یعنی کمال اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا (میں تم دونوں سے ہوں) (قرۃ العیون)

فائدہ:- ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو نہ پاکر مر جانے کی نیت سے کفار کے جمگھٹے میں گھس جانا جہاں ایک طرف حضورؐ کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہے وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری و جرأت کا بھی نقشہ ہے،

حضرت حنظلہؓ کی شہادت

(۳) غزوۂ اُحد میں حضرت حنظلہؓ اول سے شریک نہیں تھے کہتے ہیں کہ اُن کی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہمبستر ہوئے تھے، اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے، اور غسل کرنے کے لئے بیٹھ بھی گئے سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لاسکے، اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے، اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے،

چونکہ شہید کو اگر جُنبی نہ ہو تو بغیر غسل دیئے دفن کیا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی اسیطرح دفن کر دیا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ملائکہ انکو غسل دے رہے ہیں، حضورؐ نے صحابہ سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا، ابو سعید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کا یہ ارشاد سُنکر حنظلہؓ کو جاکر دیکھا تو اُن کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر تحقیق فرمایا تو انکے بغیر نہائے جانے کا قصہ معلوم ہوا (قرۃ)

فائدہ:- یہ بھی کمال بہادری ہی، بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے، اسی لئے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے،

عمرو بن جموح کی تمنائے شہادت

(۴) حضرت عمرو بن جموحؓ پاؤں سے لنگڑے تھے انکے چار بیٹے تھے جو اکثر حضورؐ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں

میں شرکت بھی کرتے تھے، غزوۂ اُحد میں عمرو بن جموح کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں، لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہی انھوں نے فرمایا کیسی بُری بات ہی کہ میرے بیٹے تو جنّت میں جائیں اور میں رہ جاؤں، بیوی نے بھی اُبھارنے کیلئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا، عمروؓ نے یہ سُنکر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف مُنہ کرکے دعاء کی اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ (اے اللہ مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے منع کرنیکا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنّت میں چلوں پھروں، حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہی تو نہ جانے میں کیا حرج ہے، انھوں نے پھر خواہش کی تو آپؐ نے اجازت دیدی،

ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمروؓ کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خُدا کی قسم میں جنّت کا مشتاق ہوں"۔ اُن کا ایک بیٹا بھی انکے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا، دونوں لڑتے رہی حتّٰی کہ دونوں شہید ہوئے، ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کیلئے مدینہ لانے لگیں تو وہ اونٹ بیٹھ گیا، بڑی دقت سے اُس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی، مگر وہ اُحد ہی کی طرف مُنہ کرتا تھا، ان کی بیوی نے حضورؐ سے ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے، کیا عمروؓ چلتے ہوتے کچھ کہہ کر گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف مُنہ کرکے دُعاء کی تھی؛ اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ، آپؐ نے فرمایا اسی وجہ سے یہ اُونٹ اس طرف نہیں جاتا،

فائدہ:۔ اسی کا نام ہی جنّت کا شوق اور یہی ہے وہ سچّا عشق اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا جس کی وجہ سے صحابہؓ کہاں سے کہاں پہنچ گئے، کہ انکے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتی، بہتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے مگر وہ یا تو بیٹھ جاتا یا اُحد کی طرف چلتا تھا،

مصعب بن عمیر رض کی شہادت

(۵) حضرت مصعب بن عمیر رض اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے اُن کے باپ اُن کیلئے دو دو سو درم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے نوعمر تھے بہت زیادہ ناز و نعمت میں پرورش پاتے تھے اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور اسی حالت میں رہتے کسی نے انکے گھر والوں کو بھی خبر کر دی، انھوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا، کچھ روز اسی حالت میں گذرے اور جب موقع ملا تو چھپکر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے انکے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے، وہاں سے واپس آکر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے، اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، حضرت مصعب رض سامنے سے گذرے انکے پاس صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی، اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکی اس حالت اور اُس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے، غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا انکے ہاتھ میں تھا، جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے، ایک کافر انکے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جاوے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جاوے، انھوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا، اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا، انھوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرے نہیں، اس نے اُنکے تیر مارا جس سے شہید ہو گئے، مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا، اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے شخص نے اٹھالیا جب اُن کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر اُن کے پاس تھی جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی، اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی تو سر کھل جاتا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں (قرۃ، اصابہ)

فائدہ: یہ آخری زندگی ہے اس نازک اور نازوں میں پلے ہوئے کی جو دو سو درم

کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی، اور ان کی ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر پھر بھی اس کو نہ چھوڑا، بڑے نازو کے پلے ہوئے تھے مگر ایمان اُن لوگوں کے دلوں میں کچھ ایسی طرح سے جمتا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کو بھی نہ چھوڑتا تھا، روپیہ پیسہ راحت آرام ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا،

(۶) عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کا ارادہ خود | یرموک کی لڑائی میں سعدؓ کا خط

لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا، عوام اور خواص دونوں قسم کے مجمعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمرؓ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ میں رہ کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے،

عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے اور خواص کی رائے تھی کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے، مشوروں کی گفتگو میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی تذکرہ آ گیا، انکو سب نے پسند کر لیا کہ انکو اگر بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے پھر حضرت عمرؓ کے جانے کی ضرورت نہیں حضرت سعد بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے، غرض یہ تجویز ہو گئی اور انکو بھیجدیا گیا، جب قادسیہ پر حملہ کیلئے پہنچے تو شاہِ کسریٰ نے ان کے مقابلہ کیلئے رستم کو جو مشہور پہلوان تھا تجویز کیا، رستم نے ہر چند کوشش کی اور بار بار بادشاہ سے اس کی درخواست کی کہ مجھے اپنے پاس رہنے دیں، خوف کا غلبہ تھا مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں سے لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح مشورہ میں مدد دونگا، مگر بادشاہ نے جس کا نام یزدجرد تھا قبول نہ کیا اور اس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا (اشہر)

حضرت سعدؓ جب روانہ ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو وصیت فرمائی جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے:۔

"سعد تمھیں یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تم حضورؐ کے ماموں کہلاتے ہو، اور حضورؐ کے صحابی ہو، اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے نہیں دھوتے بلکہ بُرائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے اس کے یہاں صرف اس کی بندگی مقبول ہے، اللہ کے یہاں

شریف رذیل سب برابر ہیں سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے اس کے انعامات بندگی سے حاصل ہوتے ہیں، ہر امر میں اس چیز کو دیکھنا جو حضورؐ کا طریقہ تھا وہی عمل کی چیز ہے، میری اس نصیحت کو یاد رکھنا تم ایک بہت بڑے کام کیلئے بھیجے جارہے ہو اس سے چھٹکارا صرف حق کے اتباع سے ہوسکتا ہے، اپنے آپکو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی بنانا اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے اس کی اطاعت میں اور گناہ سے پرہیز کرنے میں اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی دنیا سے بغض اور آخرت کی محبّت سے نصیب ہوئی"۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ نہایت بشاشت سے لشکر لیکر روانہ ہوئے جس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو انھوں نے رستم کو لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُّحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا یُحِبُّوْنَ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ،	"بیشک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے جیساکہ تم

لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو" (تفسیر عزیزی اول)

فائدہ: شراب کے دلدادوں سے پوچھو کہ اس میں کیامزہ ہے، جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ اُن کے قدم چومے،

وہب بن قابوسؓ کی اُحد میں شہادت،

⑦ وہب بن قابوسؓ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے، اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسّی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منوّرہ پہنچے، پوچھا کہ حضورؐ کہاں تشریف لےگئے معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں، بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضورؐ کے پاس پہنچ گئے، اتنے میں ایک جماعت کفّار کی حملہ کرتی ہوئی آئی، حضورؐ نے فرمایا جو ان کو منتشر کردے، وہ جنّت میں میرا ساتھی ہے، حضرت وہبؓ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹادیا، دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا، حضورؐ نے اُن کو جنّت کی

خوشخبری دی، اس کا سننا تھا کہ تلوار لیکر کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہید ہوگئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہبؓ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی، اور شہید ہونے کے بعد حضورؐ کو میں نے دیکھا کہ وہبؓ کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہوا اس کے بعد حضورؐ نے خود اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا، باوجودیکہ اس لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہبؓ کے عمل پر آیا، میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمالنامہ لیکر پہنچوں۔

فائدہ: اُنپر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا ورنہ خود حضرت عمرؓ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں،

بیر معونہ کی لڑائی ⑧ بیر معونہ کی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ستر صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی جن کو قرآء کہتے ہیں، اس لئے کہ سب کے سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے، حضورؐ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی، کیونکہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گذارتے تھے اور دن کو حضورؐ کی بیبیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی پانی وغیرہ پہنچایا کرتے تھے، اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابوبرا تھی، اپنے ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لیگیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچے، مگر اس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا، آپ نے ان ستر صحابہ کو ہمراہ کردیا اور ایک والانامہ عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی، یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہوکر بیر معونہ پہنچے تو ٹھیر گئے اور دو ساتھی ایک حضرت عمر بن امیہؓ، دوسرے حضرت منذر بن عمر سب کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لئے تشریف لیگئے اور حضرت حرام اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لیکر عامر بن طفیل کے پاس حضورؐ کا والانامہ دینے کے لئے

تشریف لیگئے، قریب پہنچ کر حضرت حرامؓ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھیر جاؤ میں آگے جاتا ہوں، اگر میرے ساتھ کوئی دغا نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہوجانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے،

عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا جو اُن صحابہ کو اپنے ساتھ لایا تھا، اس کو اسلام اور مسلمانوں سے خاص عداوت تھی، حضرت حرامؓ نے والا نامہ دیا تو اس نے غصہ میں پڑھا بھی نہیں، بلکہ حرامؓ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل گیا، حضرت حرامؓ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہوگیا) کہہ کر جاں بحق ہوئے، اس نے نہ اس کی پرواہ کی کہ قاصد کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں اور نہ اس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے، انکو شہید کرنیکے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردد کیا، تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ اُن ستر صحابہؓ کا مقابلہ کیا، یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کفار میں گھرے ہوئے تھے بجز ایک کعب بن زیدؓ کے جن میں کچھ زندگی کی رمق باقی تھی، اور کفار اُن کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، باقی سب شہید ہوگئے،

حضرت منذرؓ اور عمرؓ جو اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مُردار خور جانور اُڑ رہے تھے، دونوں حضرات یہ کہکر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آکر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا، اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لئے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا، یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے، عمر بن امیہؓ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضورؐ کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذرؓ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی، میرا دل تو نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں، اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور

ساتھیوں سے جا ملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے، حضرت منذرؓ شہید ہو گئے اور حضرت عمرو بن اُمیہؓ گرفتار ہوئے، مگر چونکہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی منّت کے سلسلہ میں ایک غلام آزاد کرنا تھا اس لئے عامر نے اُن کو اس منّت میں آزاد کیا (اسلام)

ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے انکے قاتل جبار بن سلمی کہتے ہیں کہ میں نے جب انکے برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انھوں نے کہا فُزْتُ وَاللّٰہِ خدا کی قسم: میں کامیاب ہوا" اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُن کی نعش آسمان کو اُڑی چلی گئی، میں بہت متحیر ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا وہ مرے لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں میں کامیاب ہو گیا تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی، اس پر میں مسلمان ہو گیا، (خمیس)

فائدہ:- یہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بیشک موت انکے لئے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی جب دنیا میں کام ہی ایسے کئے تھے جن پر اللہ کے یہاں کی سُرخروئی یقینی تھی، اسی لئے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا،

عمیر کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے!

(۹) غزوۂ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور متقیوں کیواسطے بنائی گئی ہے، حضرت عمیر بن الحمامؓ ایک صحابی ہیں وہ بھی سُن رہے تھے کہنے لگے واہ واہ حضورؐ نے فرمایا واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ تمنّا ہے کہ میں بھی اُن میں سے ہوتا، آپ نے فرمایا تم بھی اُن میں سے ہو، اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونیکا انتظار جو ہاتھ میں ہیں بڑی لمبی زندگی ہے کہاں تک انتظار کروں گا، یہ کہہ کر انکو پھینک دیا، اور تلوار لیکر مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے (طبقات ابن سعد

فائدہ:۔ حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدردان ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے، ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں،

حضرت عمرؓ کی ہجرت

(۱۰) حضرت عمرؓ کا تو ذکر ہی کیا ہے، بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت کا معترف ہے، اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف کی حالت میں تھے حضورؐ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمرؓ کے مسلمان ہونے کی دُعاء کی اور قبول ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اُس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ حضرت عمرؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی، مگر جب عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی کمان ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لئے، اوّل مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے، اور فرمایا کہ جس کا یہ دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں وہ مکہ سے باہر آکر میرا مقابلہ کرے، یہ الگ الگ جماعتوں کو سُنا کر تشریف لے گئے، کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا (اسد الغابہ)

غزوۂ موتہ کا قصہ

(۱۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے، ان میں ایک خط حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے ہاتھ بُصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا، جب یہ موتہ پہنچے تو شرحبیل غسانی نے جو قیصر کے حکام میں سے ایک شخص تھا انکو قتل کر دیا، قاصدوں کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں، حضورؐ کو یہ بات بہت گراں ہوئی، اور آپ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہؓ کو اُن پر امیر مقرر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں ایک یہودی اس گفتگو کو سُن رہا تھا، اس نے کہا یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے پہلے انبیاء کے اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زیدؓ کے حوالہ فرمایا، اور خود مع ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لیگئے، شہر کے باہر جب پہنچانیوالے واپس آنے لگے تو ان مجاہدین کیلئے دُعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم کو سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی بُرائی سے محفوظ رکھے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ :-

"میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں، یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے، اور جب لوگ میری قبر پر گذریں تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید اور کامیاب کرے واقعی تو تو رشید اور کامیاب تھا"

اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہوگئے، شرحبیل کو بھی اس کی روانگی کا علم ہوا وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کیلئے تیار ہوا، یہ حضرات کچھ آگے چلے تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل جو روم کا بادشاہ تھا ایک لاکھ فوج لئے ہوئے مقابلہ کیلئے آرہا ہے، ان حضرات کو اس خبر سے تردّد ہوا کہ اتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ کیا جاوے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاوے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے للکار کر فرمایا اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادہ سے نکلے ہو، تمھارا مقصود شہید ہو جانا ہے۔ ہم لوگ کبھی بھی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے، آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ،

یہ سُن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ موتہ پر پہنچ کر لڑائی شروع ہوگئی، حضرت زیدؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہنچے، گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی شرحبیل کا بھائی مارا گیا، اور اس کے ساتھی بھاگ گئے، خود شرحبیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا، اور ہرقل کے پاس مدد کیلئے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی، حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو جعفرؓ نے

جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیتے تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

"اے لوگو! کیا ہی اچھی ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی، اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آگیا مجھ پر لازم ہے کہ ان کو ماروں"۔

یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لیکر کافروں کے مجمع میں گھس گئے، امیر ہونیکی وجہ سے جھنڈا بھی انہی کے پاس تھا، اوّل جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا، کہ جھنڈا گر جاوے انھوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا، انھوں نے وہ بھی کاٹا، تو انھوں نے دونوں بازوؤں سے اس کو تھاما اور مُنہ سے مضبوط پکڑ لیا، ایک شخص نے پیچھے سے اُنکے ۲ دو ٹکڑے کر دیئے جس سے یہ گر پڑے اُس وقت انکی عمر ۳۳ تینتیس سال کی تھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفرؓ کو جب اٹھایا تو انکے بدن کے اگلے حصّہ میں نوّے زخم تھے جب یہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے عبداللہ بن رواحہؓ کو آواز دی وہ لشکر کے ایک کونہ میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے، کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا، وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہ جعفرؓ تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے، آگے بڑھے اور جھنڈا لیکر قتال شروع کر دیا، انگلی میں زخم آیا وہ لٹک گئی تو انھوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہو گئی اس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے، اس گھمسان اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردّد بھی پیش آیا کہ نہ ہمّت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس تردّد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا، او دل! کس چیز کا اب اشتیاق باقی ہے، جس کی وجہ سے تردّد ہے اگر بیوی کا ہے، تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ، اس کے بعد چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

قسم ہو اَو دل تجھے اُترنا ہوگا خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر، تجھے اطمینان کی زندگی گذارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا سوچ تو آخر تو ایک قطرۂ منی ہے، دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آرہے ہیں، تجھے کیا ہوا جنّت کو پسند نہیں کرتا، اگر قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے ہی گا۔“

اس کے بعد گھوڑے سے اُترے انکے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھالو، کمر سیدھی کرلو کئی دن سے کچھ نہیں کھایا، انھوں نے لے لیا، اتنے میں ایک جانب سے ہلّے کی آواز آئی، اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گھس گئے، اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے (خمیس)

فائدہ

سعید بن جبیرؓ اور حجاج کی گفتگو

صحابہؓ کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے، اُن کا ہر ہر قصّہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا پوچھنا ہی کیا، تابعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا، ایک قصّہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں جو دوسرے رنگ کا ہے، دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں، اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ، ”بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے، حجاج کا ظلم وستم دنیا میں مشہور ہے، گو اس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم وستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے، لیکن پھر بھی دیندار اور عادل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے تھے، اور اس وجہ سے لوگ اُن سے بیزار تھے،

سعید بن جبیرؓ نے بھی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجّاج کا مقابلہ کیا، حجاج عبد الملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا سعید بن جبیرؓ مشہور تابعی ہیں، اور بڑے علماء میں سے ہیں، حکومت اور بالخصوص حجّاج کو اُن سے بُغض وعداوت تھی، اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لئے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا، مقابلہ میں حجّاج اُن کو گرفتار نہ کرسکا، یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے، حکومت نے اپنے

ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلایا، اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سُنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر رض کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں، اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملیگا اس کو قتل کیا جائیگا، اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا، غرض بڑی دِقت سے مکہ کے حاکم نے انکو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیجدیا اس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنیکا موقع مل گیا، سامنے بلایا اور پوچھا:-

حجاج، تیرا کیا نام ہے؟ سعید: میرا نام سعید ہے، حجاج: کس کا بیٹا ہے؟ سعید: جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز، اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو ان کے نام کے اچھے معنی ہونے والا پسند نہیں آیا، اس لئے کہا، نہیں، تو شقی بن کسیر ہے (شقی کہتے ہیں بدبخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز) سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں، حجاج: تو بھی بدبخت تیری ماں بھی بدبخت، سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور شخص ہے، (یعنی علام الغیوب) حجاج: میں اب تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں، سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا، حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلے کیسا جہنم رسید کرتا ہوں، سعید: اگر میں جانتا کہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنا لیتا، حجاج: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟ سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے، حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟ سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، حجاج: میں اُن کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا؟ سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے، حجاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟ سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنیوالا تھا (بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ) انکے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟ سعید:

اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے، حجاج: حضرت علیؓ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں، حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟ سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں، حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا، سعیدؒ: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا، حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟ سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں، اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو، حجاج: میں تو ہنستا ہوں، سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے، حجاج: میں تجھے قتل کرنیوالا ہوں، سعیدؒ: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا، حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں، سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے، حجاج: میں کیوں جرأت نہیں کر سکتا، حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے، سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں، اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا، اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، حجاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لئے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟ سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا، (حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر ان کے سامنے رکھ دیئے) یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں، حجاج: شرط کیا ہے؟ سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنیوالی ہوں، ورنہ ہر دودھ پلانیوالی دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیگی اور حمل گر جائیں گے، اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دیگی، حجاج: ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں؟ سعید: تو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے، حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے؟ سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جسکو اللہ پسند کرے، حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہو، سعید: ہلاکت اس

شخص کیلئے ہی جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے، حجاج: (دق ہو کر) بتلا کہ میں تجھ کس طریقہ سے قتل کروں؟ سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لئے پسند ہو۔ حجاج: کیا تجھے معاف کردوں؟ سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے، تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں، حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردو، سعیدؓ باہر لائے گئے اور ہنسے، حجاج کو اس کی اطلاع دیگئی، پھر بلایا اور پوچھا، حجاج: تو کیوں ہنسا؟ سعیدؓ: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ کے تجھ پر حلم سے، حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی، پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا، میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ، سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، نماز پڑھی، پھر قبلہ رُخ ہو کر اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ پڑھا، یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین سے"۔ حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انھوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا، چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا، سعید: فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ الْکَافِیْ بِالسَّرَائِرِ، "جدھر تم منہ پھیرو اُدھر بھی خدا ہی جو بھید دل کا جاننے والا ہے"۔ حجاج: اوندھا ڈالدو (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں، سعید: مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی "ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے"۔ حجاج: اس کو قتل کردو، سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، تو اس کو محفوظ رکھنا جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لیلوں گا، اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی، اُس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا، اور قتل

کا ذرا بھی خوف اُن کے دل میں نہیں تھا، اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے (علمائے سلف کتاب الامامۃ والسیاستہ)

فائدہ:۔ اس قصہ کے سوال و جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے، اور بھی بعض سوال جواب نقل کئے گئے، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا اس لئے اسی پر اکتفاء کیا گیا، تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں، حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے، لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب

علمی ولولہ اور اس کا انہماک

چونکہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے جب تک وہ نہ ہو کوئی کارِ خیر بھی مقبول نہیں، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی، اور وہ علمی انہماک کیلئے فارغ و یکسو نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق و شغف جس کا ثمرہ آج بھی چودہ سو برس تک علومِ قرآن وحدیث کا بقا ہے، ایک کھلی ہوئی چیز ہے، ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ "مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ انکی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ وہ قوم کو جب وہ انکے پاس واپس آویں ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں (بیان القرآن)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اور اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا سے جو عموم معلوم ہوتا ہے اس کو مَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّةً نے منسوخ کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیت عطا فرمائی تھی، اور اس وقت کیلئے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہوگئی، نیز صحابۂ کرام جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی تو ہر ہر شعبۂ دین کیلئے پوری توجہ سے کام کرنیوالے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے، محدثین کی مستقل جماعت بننی شروع ہوگئی، جن کا کام احادیث کا ضبط اور ان کا پھیلانا تھا، فقہاء کی علیحدہ جماعت ہوئی، صوفیاء، قراء، مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے، اس وقت کیلئے یہی چیز مناسب اور ضروری تھی، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دشوار تھی، اس لئے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کرلے یہ بہت دشوار ہے، یہ صفت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی، اس لئے اس باب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کئے جائیں گے،

اصحاب الفتویٰ فی زمنہٖ ؐ

① اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ میں ہر وقت منہمک تھے، اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا اس کو پھیلانا پہنچانا بھی اس کا مشغلہ تھا، لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی، وہ حضرات ذیل ہیں:۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابی ابن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، عمار بن یاسرؓ، حذیفہؓ، سلمان فارسیؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰؓ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین (تلقیح)

فائدہ:۔ یہ اُن حضرات کے کمال علم کی بات ہے کہ حضورؐ کی موجودگی میں یہ لوگ اہلِ فتویٰ شمار کیے جاتے تھے،

حضرت ابوبکرؓ کا مجموعہ کو جلا دینا ④ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچسو احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا، ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں، مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے، غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں اٹھا لا، میں لے کر آئی، آپ نے ان کو جلا دیا، میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، اُن میں دوسروں کی سُنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور وہ واقع میں معتبر نہ ہو اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو (تذکرۃ الحفاظ)۔

فائدہ:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا، کہ انھوں نے پانچ سوؔ احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمالِ احتیاط تھا، اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارہ میں احتیاط کا یہی حال تھا، اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں بہت کم نقل کی جاتی ہیں ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو منبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں، حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت کے حاضر باش سفر حضر کے ساتھی ہجرت کے رفیق، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکرؓ تھے،

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عبور تھا،

اور احادیث کس قدر یاد تھیں، مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں، یہی راز ہی کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں،

(۳) تبلیغ مصعب بن عمیرؓ

مصعب بن عمیرؓ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے ۵ پر بھی گذر چکا ہی، انکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی تعلیم اور دین کے سکھانیکے لئے بھیجدیا تھا، یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے، لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے، سعد بن زرارہؓ کے پاس اُن کا قیام تھا، اور مقرئ (پڑھانیوالا مدرس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے، سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیر یہ دونوں سرداروں میں تھے انکو یہ بات ناگوار ہوئی، سعد نے اُسید سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے یہ سُنا ہی کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے بہکاتا ہے، وہ اسعد کے پاس گئے، اور ان سے سختی سے یہ گفتگو کی، اسعد نے کہا کہ تم اُن کی بات سُن لو، اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو اگر سننے کے بعد ناپسند ہو تو روکنے کا مضائقہ نہیں، اُسید نے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہی، سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے اسلام کی خوبیاں سُنائیں، اور کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں، حضرت اُسیدؓ نے کہا کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہی، جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ پاک کپڑے پہنو اور کلمۂ شہادت پڑھو، حضرت اُسید نے اسی وقت سب کام کئے اور مسلمان ہو گئے، اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمراہ لائے ان سے یہی گفتگو ہوئی، سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بنو الاشہل کے پاس گئے، ان سے جاکر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انھوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو، اس پر سعد نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے، جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ، اُن کے اس کہنے سے قبیلہ

اشہل کے مرد و عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعبؓ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے (تلقیح)

فائدہ:۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا وہ مستقل ایک مبلغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اسکی زندگی کا ایک مستقل کام تھا جسمیں نہ کھیتی مانع تھی نہ تجارت نہ پیشہ نہ ملازمت

ابی بن کعبؓ کی تعلیم ⑦ حضرت ابی بن کعب مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں اسلام لانے سے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، عرب میں لکھنے کا عام دستور نہیں تھا اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا، لیکن یہ پہلے سے واقف تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے، قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے، اور ان لوگوں میں تھے جنھوں نے حضورؐ کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کر لیا تھا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری اُمّت کے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں، تہجد میں آٹھ راتوں میں قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام تھا، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سُناؤں عرض کیا یا رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں تمھارا نام لیکر کہا، یہ سنکر فرطِ خوشی سے رونے لگے ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے، جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا تو مسجدِ نبوی میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے، اور شاگرد دول کے حلقے متفرق طور پر علیحدہ علیحدہ ہر اُستاد کے پاس موجود تھے، میں اُن حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہنچا جسمیں ایک صاحب مسافرانہ ہیئت کیساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعبؓ ہیں، میں اُن کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا، جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے میں بھی پیچھے ہو لیا، وہاں جا کر دیکھا ایک پُرانا سا گھر خستہ حالت نہایت معمولی سامان زاہدانہ زندگی (طبقات)

حضرت اُبیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، حضورؐ نے دوبارہ سوال فرمایا، مجھے ادب مانع ہوا میں نے پھر وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا، میں نے عرض کیا آیۃ الکرسی، حضورؐ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے،

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی حضرت اُبیؓ نے نماز میں لقمہ دیا، حضورؐ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت اُبیؓ نے عرض کیا میں نے بتایا تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرا بھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا (مسند احمد)

فائدہ: یہ حضرت اُبیؓ باوجود اس علمی شغف اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضورؐ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، حضورؐ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں اُن کی شرکت نہ ہو،

حذیفہؓ کا اہتمام فتن

(۵) حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی ہیں، صاحب السِّر (بھیدی) ان کا لقب ہی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں سب کو نمبروار بتایا تھا، کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضورؐ نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا کا حال مع اس کے نام کے نیز اُس کی ماں کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتادیا تھا، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حضورؐ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں بُرائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا تاکہ اس سے بچا جائے،

ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ یہ خیر و خوبی جس پر آجکل آپکی برکت سے ہم لوگ ہیں اس کے بعد بھی کوئی بُرائی آنے والی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں بُرائی آنے والی ہی، میں نے عرض کیا کہ اس بُرائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا

نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ حذیفہ اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر اس کے احکام کا اتباع کر (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس بُرائی کے بعد بھی بھلائی ہوگی؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس بھلائی کے بعد پھر بُرائی ہوگی؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے، اور جہنم کی طرف لیجائیں گے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو تو اس کے ساتھ ہو جانا ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا، کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضورؐ نے سب کا بتلا دیا تھا اس لئے حضرت عمرؓ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں، ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، مگر میں نام نہیں بتاؤں گا، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا، غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہوگا، جب کوئی شخص مر جاتا تو حضرت عمرؓ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ انکے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حذیفہؓ شریک ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی نماز پڑھتے ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے، حضرت حذیفہؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے، لوگوں نے دریافت کیا، فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں، یا خوشنودی پر، اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے، یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما (ابوداؤد و اسد الغابہ)

حضرت ابوہریرہؓ کا احادیث کا حفظ کرنا

(۶) حضرت ابوہریرہؓ نہایت مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں، اور اتنی کثرت سے اُن سے حدیثیں نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں، اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

کا وصال ہوگیا، اتنی قلیل مدّت میں جو تقریباً چار برس ہوتی ہے اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں، خود حضرت ابوہریرہؓ اس کی وجہ بتاتے ہیں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ تھے، بازار میں آنا جانا پڑتا تھا، اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے اسکی مشغولی انکو در پیش رہتی تھی اور ابوہریرہؓ اصحابِ صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا اس پر قناعت کئے پڑا رہتا تھا ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا جس میں وہ نہیں ہوتے تھے، اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ میں نے حضورؐ سے حافظہ کی شکایت کی، حضورؐ نے فرمایا چادر بچھا، میں نے چادر بچھائی، حضورؐ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا اس کے بعد فرمایا اس چادر کو ملالے، میں نے اپنے سینہ سے ملالیا، اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا، (بخاری)

فائدہ:- اصحابِ صفہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات کا کوئی خاص نظم نہیں تھا گویا حضورؐ کے مہمان تھے جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا اس میں ان کا زیادہ تر گذر تھا، حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے، بسا اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی ان پر گذر جاتے تھے، بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون کی سی حالت ہوجاتی تھی، جیساکہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۳ و ۷ میں گذرا، لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا جسکی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں، ابن جوزیؒ نے تلقیح میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں ان سے مروی ہیں، ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص جنازہ کی نماز پڑھکر واپس آجاوے اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے، اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس حدیث میں کچھ تردد ہوا، انھوں نے فرمایا ابوہریرہؓ سوچ کر کہو اُن کو غصہ آگیا، سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا کہ میں آپکو قسم دیکر پوچھتا ہوں یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضورؐ سے سنی؟ انھوں نے فرمایا ہاں سُنی ہے، ابوہریرہؓ فرمانے لگے کہ مجھے حضورؐ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا نہ بازار میں مال بیچنا تھا میں تو حضورؐ کے دربار میں پڑا رہتا تھا، اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا بے شک تم ہم لوگوں سے زیادہ حاضر باش تھے، اور احادیث کو زیادہ جاننے والے (مسند احمد) اس کے ساتھ ہی ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں، اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھیں، رات کو اسوقت تک نہیں سوتے تھے جبتک اس کو سبحان اللہ کیسا تھ پورا نہ کر لیتے تھے (تذکرہ)

قتلِ مسیلمہ و جمعِ قرآن ⑦ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسیلمہ کذاب کا جس نے حضورؐ کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اثر بڑھنے لگا اور چونکہ عرب میں ارتداد بھی زور شور سے شروع ہو گیا تھا اس سے اس کو اور بھی تقویت پہونچی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سے لڑائی کی، حق تعالیٰ شانہ، نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا، لیکن اس لڑائی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی، حضرت عمرؓ امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے، اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ایسے کام کی کیسے جرأت کرتے ہو، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمرؓ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے بھی موافق ہو گئی تو

حضرت زید بن ثابتؓ کو جن کا قصہ باب ۱۱ قصہ ۱۸ پر آرہا ہے بلایا، زیدؓ کہتے ہیں کہ
میں حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ بھی تشریف رکھتے تھے،
حضرت ابوبکرؓ نے اوّل اپنی رائے اور حضرت عمرؓ کی ساری گفتگو نقل فرمائی، اس
کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانشمند، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں
اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور رہ چکے ہو اس لئے اس کام کو تم کرو، لوگوں کے پاس سے
قرآن پاک جمع کرو، اور اس کو ایک جگہ نقل کردو، زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے
یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ توڑ کر اِدھر سے اُدھر منتقل کردو تو یہ حکم بھی میرے لئے
قرآن پاک کے جمع کرنے کے حکم سے سہل تھا، میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام
کس طرح کر رہے ہیں جس کو حضورؐ نے نہیں کیا، وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے، ایک
حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ سے کہا کہ اگر تم عمرؓ کی موافقت کرو
تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں، زید بن ثابتؓ کہتے
ہیں کہ طویل گفتگو کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی جانب شرحِ صدر فرمادیا،
کہ قرآن پاک کو یکجا جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد میں لوگوں کے
پاس جو قرآن شریف متفرق طور پر لکھا ہوا تھا اور جو اِن حضرات صحابہ کرام
کے سینوں میں محفوظ تھا سب کو تلاش کرکے جمع کیا (بخاری)

فائدہ:- اس قصہ میں اوّل تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا
ہے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا انکے لئے اس سے سہل تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جسکو
حضورؐ نے نہیں کیا، اسکے بعد کلام پاک کا جمع کرنا جو دین کی اصل ہے اللہ نے ان
حضرات کے اعمالنامہ میں رکھا تھا، پھر حضرت زیدؓ نے اتنا اہتمام اس کے جمع
فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں انہی سے جمع کرتے تھے اور حفاظ کے سینوں
سے اس کا مقابلہ کرتے تھے، اور چونکہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں

لکھا ہوا تھا اسلئے اسکی تلاش میں گو محنت ضرور کرنا پڑی مگر سب مل گیا، ابی ابن کعبؓ جنکو خود حضورؐ نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا اُن کی اعانت کرتے تھے، اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع کیا،

ابن مسعودؓ کی احتیاط روایتِ حدیث میں،

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں، اور ان صحابہ میں شمار ہی جو فتوے کے مالک تھے، ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی، تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شریک رہی ہیں، اور مخصوص خادم ہونیکی وجہ سے "صاحب النعل" "صاحب الوسادۃ" "صاحب المطہرۃ" جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی انکے ہیں، اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمتیں اکثر انکے سپرد رہتی تھیں، حضورؐ کا انکے بارہ میں یہ ارشاد ہے کہ اگر میں کسیکو بغیر مشورہ امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعودؓ کو بناؤں، حضورؐ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمھیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہی، حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہی کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقہ کے موافق پڑھے، حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہی کہ ابن مسعودؓ جو حدیث تم سے بیان کریں اسکو سچ سمجھو، ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے تو ایک زمانہ تک ابن مسعودؓ کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے اسلئے کہ اتنی کثرت سے انکی اور انکی والدہ کی آمد و رفت حضورؐ کے گھر میں تھی جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے (بخاری) لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس رہا میں نے کبھی انکو حضورؐ کی طرف منسوب کرکے بات کرتے نہیں سُنا، لیکن کبھی اگر حضورؐ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے تو بدن پر کپکپی آجاتی تھی،

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس آتا رہا میں نے کبھی حضورؐ کی طرف نسبت کرکے بات کرتے نہیں سُنا، ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ "حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا" تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آگیا، رگیں پھول گئیں اور

فرمایا انشاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم (مقدمہ اوجز مسند احمد)

فائدہ :- یہ بھی ان حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، اس خوف کیوجہ سے یہ حضرات باوجودیکہ مسائل حضورؐ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتلاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے اسکے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بیدھڑک اور بے تحقیق حدیث نقل کردیتے ہیں ذرا بھی نہیں جھجکتے حالانکہ حضورؐ کی طرف منسوب کرکے بات نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے، فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ تر لیا گیا ہے،

حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس حدیث کیلئے جانا

(۹) کثیر بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص انکی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے، ابوالدرداءؓ نے پوچھا کہ کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، ابوالدرداءؓ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی؟ کہا نہیں، صرف حدیث ہی معلوم کرنے کیلئے آیا ہوں، ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کیلئے چلتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کیلئے جنت کا راستہ سہل فرماتے ہیں اور فرشتے اپنے پَر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھادیتے ہیں اور طالبعلم کیلئے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے (ابن ماجہ)

فائدہ: حضرت ابو الدرداءؓ فقہائے صحابہ میں ہیں حکیم الامۃ کہلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی نبوت کے وقت میں تجارت کرتا تھا میں نے مسلمان ہونیکے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں، تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ پر ہی دوکان ہو جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت نہ ہو، اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں اُن سب کو صدقہ کردوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہیں کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا حساب تو دینا ہی پڑیگا، ابو الدرداءؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے اپنے مولیٰ سے مُلاقات کے شوق میں، اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے اور بیماری سے محبت ہے گناہ دُھلنے کے واسطے (تذکرہ)

اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے، ان حضرات کے یہاں حدیث حاصل کرنیکے لئے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کیلئے دور دور کا سفر طے کرلینا ان حضرات کو بہت سہل تھا، شعبیؒ ایک مشہور محدث ہیں کوفہ کے رہنے والے ہیں، اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سُنائی اور فرمایا کہ لے گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کیلئے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتدا میں حدیث کا مخزن مدینہ طیبہ ہی تھا، علمی شغف رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں،

سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں، امام الائمہ امام بخاریؒ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی، عبد اللہ بن مبارک کی سب تصانیف بچپن ہی میں حفظ کرلی تھیں، اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں انکو حاصل کرلینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا، والد کا انتقال ہوچکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں،

اسکے بعد بلخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استاذ حدیث بنگئے تھے کہ منہ پر ڈاڑھی کا ایک بال بھی نہیں نکلا تھا، کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے صحابہ اور تابعین کے فیصلے تصنیف کئے، حاشد اور انکے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاری ہم لوگوں کیساتھ استاذ کے پاس جایا کرتے۔ ہم لوگ لکھتے اور بخاری ویسے ہی واپس آجاتے ہمنے کئی روز گذر جانے پر اُن سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو وہ چپ ہوگئے جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دق ہی کر دیا لاؤ تم نے کیا لکھا۔ ہم نے اپنا مجموعہ احادیث نکالا جو پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا انھوں نے اُن سب کو حفظ سُنادیا ہم دنگ رہ گئے،

حضرت ابن عباس رضؓ کا انصاری کے پاس جانا

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہوگیا ابھی تک صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت موجود ہی آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں، اُن انصاری نے کہا کیا ان صحابہ کرام کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے، صحابہ کی بہت بڑی جماعت موجود ہی، غرض ان صاحب نے تو ہمت کی نہیں، میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا، اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انھوں نے حضورؐ سے سُنی ہے انکے پاس جاتا اور تحقیق کرتا، مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا، بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا، گو ہوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی مگر میں وہیں بیٹھا رہتا، جب وہ اُٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا، وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضورؐ کے چچازاد بھائی ہوکر کیوں تکلیف کی، مجھے بُلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنیوالا ہوں اس لئے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا، بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا بہت دیر سے، وہ کہتے کہ تم نے بُرا کیا مجھے اطلاع کر دیتے، میں کہتا کہ میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ نوبت بھی آئی کہ لوگ علم حاصل کرنیکے واسطے میرے

پاس جمع ہونے لگے تب اُن انصاری صاحب کو بھی قلق ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا (دارمی)

فائدہ: یہ ہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رض کو اپنے وقت میں حبر الامّۃ اور بحر العلم کا لقب دلوایا، جب اُنکا وصال ہوا تو طائف میں تھے، حضرت علی رض کے صاحبزادہ محمد رح نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور فرمایا کہ اس اُمّت کا امام ربانی آج رخصت ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رض کہتے ہیں کہ ابن عباس رض آیتوں کے شانِ نزول جاننے میں سب سے ممتاز ہیں، حضرت عمر رض انکو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے، یہ سب اُسی جانفشانی کا ثمرہ تھا ورنہ اگر یہ صاحبزادگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے خود آقائے نامدار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جن سے علم حاصل کرو انکے ساتھ تواضع سے پیش آؤ، بخاری میں مجاہد رح سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے وہ علم حاصل نہیں کرسکتا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کردے، یا بیچ دے، یحیٰی بن کثیر کہتے ہیں کہ علم تن پروری کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا، امام شافعی رح کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغناء کیساتھ حاصل کرے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہاں جو شخص خاکساری اور تنگدستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے وہ کامیاب ہوسکتا ہے، مغیرہ رح کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاذ ابراہیم سے ایسے ڈرتے تھے جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں، یحیٰی بن معین بڑے محدّث ہیں، امام بخاری رح انکے متعلق کہتے ہیں کہ محدّثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا، امام ابو یوسف رح کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاذ کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا،

اس قصّہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رض کی اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کیساتھ ہی علم کا شغف اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا فوراً جاتے اسکو حاصل

فرماتے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت اور تکلیف اٹھانا پڑتی، اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی، اور یہ تو ضرب المثل ہے مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَہِرَ اللَّیَالِیْ جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا راتوں کو جاگے گا۔ حارث بن یزیدؒ ابن شبرمہ، قعقاع، مغیرہ چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا، لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ امام زہری عشاء کی نماز کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے تو صبح کردیتے (دارمی)، دراوردیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبویؐ میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن وتشنیع ہوتی نہ تغلیط اور اسی حالت میں صبح ہوجاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے، (مقدمہ)

ابن فرات بغدادی ایک محدث ہیں جب انتقال ہوا تو اٹھارہ[18] صندوق کتابوں کے چھوڑے، جنمیں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں، اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحتِ نقل اور عمدگیِ ضبط کے اعتبار سے اُن کا لکھا ہوا حجت بھی ہے، ابن جوزیؒ مشہور محدث ہیں تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے، ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں، ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں، کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا، چار جزو روزانہ لکھنے کا معمول تھا، درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا، امراء، وزراء، سلاطین تک مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے، ابن جوزیؒ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے، اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں، اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا، اس وجہ سے تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں (تذکرہ) احادیث لکھنے کے وقت قلموں کا تراشہ

جمع کرتے رہتے تھے، مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے کہتے ہیں کہ صرف غسل میت کیلئے پانی گرم کرنے ہی کیلئے کافی نہ تھا بلکہ گرم کرنیکے بعد بچ بھی گیا تھا،

یحییٰ ابن معینؒ حدیث کے مشہور استاذ ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، ابن جریر طبری مشہور مؤرخ ہیں، صحابہ اور تابعین کے احوال کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا، انکے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط نکلا، انکی تاریخ مشہور ہی عام طور سے ملتی ہے، جب اسکی تصنیف کا ارادہ کیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے، لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی، کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی، لوگوں نے کہا اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا ہو جائیں گی، کہنے لگے اِنَّا لِلّٰہ ہمتیں پست ہوگئیں، اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار ورق پر لکھی، اسی طرح انکی تفسیر کا بھی قصہ ہوا، اور وہ بھی مشہور ہی اور عام طور سے ملتی ہے،

دار قطنی حدیث کے مشہور مصنف ہیں، حدیث حاصل کرنیکے لئے بغداد، بصرہ، کوفہ واسطہ، مصر اور شام کا سفر کیا، ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے، ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو، کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہی، بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں، وہ سوچنے لگے، دار قطنی نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ ۱۸ حدیثیں سنائی ہیں پہلی یہ تھی دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سنادیں،

حافظ اثرمؒ ایک محدث ہیں، احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشتاق تھے، ایک مرتبہ حج کو تشریف لیگئے، وہاں خراسان کے دو بڑے استاذ حدیث آئے ہوئے تھے، اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک مجمع موجود تھا یہ دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں، عبداللہ بن مبارکؒ مشہور محدث ہیں، حدیث حاصل کرنے میں انکی محنتیں

مشہور ہیں، خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار استاذوں سے حدیث حاصل کی ہے، علی بن الحسنؒ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی میں اور ابن مبارکؒ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہو گئی، میں بھی کہتا رہا وہ بھی فرماتے رہے وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہو گئی، حمیدی ایک مشہور محدّث ہیں جنھوں نے بخاری اور مسلم کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے، رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اسمیں بیٹھ کر لکھتے، سب سے الگ رہتے تھے، شاعر بھی تھے، ان کے شعر ہیں ؎

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا ۔ سِوَى الْهَذَيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّ قَالٍ
فَاَقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ اِلَّا ۔ لِاَخْذِ الْعِلْمِ اَوْ اِصْلَاحِ حَالٍ

"لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی بجز قیل و قال کی بکواس کے، اس لئے لوگوں کی ملاقات کم کر بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاح نفس کیواسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو۔"

امام طبرانیؒ مشہور محدّث ہیں، بہت سی تصانیف فرمائی ہیں، کسی نے اُنکی کثرتِ تصانیف دیکھکر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس[۳] برس بوریئے پر گذار دیئے، یعنی رات دن بوریئے پر پڑے رہتے تھے، ابو العباس شیرازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، امام ابو حنیفہؒ بڑی شدّت کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے، کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا اس میں جتنے محدّثین تھے سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا، اور جب کوئی باہر سے محدّث آتے تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ انکے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو اپنے پاس نہ ہو تو اس کی تحقیق کرو، ایک علمی مجلس امام صاحبؒ کے یہاں تھی، جس میں محدّث، فقیہ، اہلِ لغت کا مجمع تھا، جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی، اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی، اسکے بعد جب کوئی بات طے ہوتی تو وہ مذہب قرار دیجاتی اور لکھ لی جاتی،

امام ترمذیؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا، احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا انکی خصوصی شان تھی، اور قوّتِ حافظہ میں ضرب المثل تھے، بعض محدّثین

نے ان کا امتحان لیا اور چالیس۴۰ حدیثیں ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں، امام ترمذیؒ نے فوراً سنادیں، خود امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ایک شیخ کی احادیث کے ۲ دو جز نقل کیے تھے، اتفاق سے خود اُن شیخ سے ملاقات ہوگئی، میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جز احادیث کے استاذ سے سن بھی لوں، انھوں نے قبول کرلیا میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جز میرے پاس ہیں، مگر استاذ کی خدمت میں گیا تو بجائے اُن کے ۲ دو سادے جز ہاتھ میں تھے، استاد نے سنانا شروع کیا اتفاقاً اُن کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادے جز تھے، ناراض ہوکر فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی، میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہوجاتا ہے، استاذ کو یقین نہ آیا، فرمایا اچھا سناؤ میں نے سب حدیثیں سنادیں، فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی، میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجئے، انھوں نے چالیس۴۰ حدیثیں اور سنادیں، میں نے انکو بھی فوراً سنادیا، اور ایک بھی غلطی نہیں کی،

محدثین نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں انکو پھیلانے میں کی ہیں، ان کا اتباع تو درکنار ان کا شمار بھی مشکل ہے، قرطمہ ایک محدث ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں، اُن کے ایک شاگرد داؤد کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتم وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں میں نے قرطمہ سے زیادہ حافظہ نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں انکے پاس گیا کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جونسی دل چاہے اٹھالو، میں سنادوں گا، میں نے ... کتاب الاشربہ اٹھائی وہ ہر باب کے اخیر سے اوّل کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنادی، ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں، اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ حدیثیں میں نے جمع کی ہیں، اور تیس ہزار مجھے ازبر یاد ہیں، خفافؒ کہتے ہیں کہ اسحٰق نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں، اور پھر اُن کو نمبروار سنایا نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ،

ابوسعد اصبہانی بغدادی سولہ۱۶ سال کی عمر میں ابونصر کی احادیث سننے کے لئے بغداد پہنچے راستہ میں انکے انتقال کی خبر سنی بیساختہ رو پڑے چیخیں نکل گئیں کہ اُن کی

سند کہاں ملے گی، آتاریخ کہ رہنے میں حجنیں نکل جائیں جب ہی ہو سکتا ہی کہ جب کسی چیز کا عشق ہو جاوے، انکو مسلم شریف پوری یاد تھی، اور حفظ ہی طلباء کو لکھوایا کرتے تھے، گیارہ حج کئے، جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آنکھوں میں آنسو بھرلاتے، ابو عمر ضریر پیدائشی نابینا تھے مگر حفاظ حدیث میں شمار ہے، علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے، ابو الحسین اصفہانی کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں، بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سند پڑھتا اس کا متن یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا اس کی سند پڑھ دیتے تھے،

شیخ تقی الدین بعلبکی نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جمع بین الصحیحین کے بھی حافظ تھے، صاحب کرامات بزرگ تھے، قرآن پاک کے بھی حافظ تھے، کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی، ابن السنی امام نسائی کے مشہور شاگرد ہیں، حدیث لکھنے میں آخیر تک مشغول رہی، ان کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا، اور دونوں ہاتھ دعا کے واسطے اٹھائے، اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا، علامہ ساجی نے بچپن میں فقہ حاصل کیا، اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا، ہرات میں دس برس قیام کیا، جس میں چھ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی، ابن مندہ سے غرائب شعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مندہ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علی ہی کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے،

ابو عمرو خفاف کو ایک لاکھ حدیثیں ازبر تھیں، امام بخاری کے استاذ عاصم بن علی جب بغداد پہنچے تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے، اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا، انکے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حَدَّثَنَا اللَّيثُ کو چودہ ۱۴ مرتبہ کہنا پڑا، ظاہر بات ہے کہ سوا لاکھ آدمیوں کو آواز پہنچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا، ابو مسلم بصری جب بغداد پہنچے تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا، سات آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے

تھے جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں، سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ اُن سے علیحدہ، فریابی کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ ۳۱۶ تھے، اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہوجاتا ہے اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے،

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کرکے بخاری شریف لکھی ہے جس میں سات ہزار دوسو پچھتر ۲۷۵ حدیثیں ہیں، اور ہر حدیث لکھتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے، جب یہ بغداد پہنچے تو وہاں کے محدثین نے اُن کا امتحان لیا اس طرح کہ دس آدمی متعین ہوئے ان میں سے ہر شخص نے دس دس حدیثیں چھانٹیں جن کو بدل بدل کر اُن سے پوچھا، یہ ہر سوال کے جواب میں "مجھے معلوم نہیں" کہتے رہے، جب سب دس پوچھ چکے تو انھوں نے سب سے پہلے والے کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی، تم نے اس طرح بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، غرض اس طرح سو کی سو حدیثیں ترتیب وار بیان فرمادیں کہ ہر حدیث کو اوّل اس طرح پڑھتے جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا، پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے،

امام مسلمؒ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی اسی میں اخیر تک مشغول رہے، خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر مسلم شریف تصنیف کی جس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں،

امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سُنی ہیں جن میں سے انتخاب کرکے سنن ابوداؤد شریف تصنیف کی ہے جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں،

یوسف مزی مشہور محدّث ہیں، اسماء رجال کے امام ہیں، اوّل اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا، اس کے بعد مکّہ مکرّمہ، مدینہ منورہ، حلب، حمات، بعلبک، وغیرہ کا سفر کیا، بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں، تہذیب الکمال دوسو جلدوں میں تصنیف کی، اور کتاب الاطراف کی اسّی جلدوں سے زیادہ ہیں، انکی عادت شریفہ

تھی کہ اکثر چپ رہتے تھے بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے اکثر اوقات کتاب کے دیکھنے میں مشغول رہتے تھے، حاسدوں کی عداوت کا شکار بھی بنے مگر انتقام نہیں لیا،

ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے بڑی بڑی کتابیں اُن کے حالات اور جانفشانیوں کا احاطہ نہیں کرسکیں، یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار واقعات کا ذکر اس لئے کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ علمِ حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس تک نہایت آب و تاب سے باقی ہے وہ کس محنت اور جانفشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعوٰی کرتے ہیں اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں وہ کتنی محنت اور مشقت اس کیلئے گوارا کرتے ہیں، اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش عشرت راحت و آرام سیر و تفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل میں لگے رہیں اور حضورؐ کے پاک کلام کا یہ شیوع اسی طرح باقی رہے تو این خیال است و محال است و جنوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے،

نواں باب ۹

فرمانبرداری اور امتثالِ حکم اور یہ دیکھنا کہ حضورؐ کا منشاءِ مبارک کیا ہے،

ویسے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل فرمانبرداری تھا، اور گذشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے لیکن خاص طور سے چند قصّے اس باب میں اس لئے ذکر کئے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا اس باب سے خاص طور پر مقابلہ کرکے دیکھیں کہ ہم اللہ کی اور اس کے رسولِ پاکؐ کے احکام کی فرمانبرداری کہاں تک کرتے ہیں جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات ترقیات اور ثمرات جو صحابۂ کرام کو حاصل ہوتے تھے ہمیں بھی حاصل ہوں اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنی ہیں تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہئے جو وہ حضرات کرکے دکھلا گئے ہیں،

ابن عمروؓ کا چادر کو جلا دینا

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے اوپر ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی،

حضورؐ نے دیکھ کر فرمایا یہ کیا اوڑھ رکھا ہے، مجھے اس سوال سے حضورؐ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے، گھروالوں کے پاس واپس ہوا تو انھوں نے چولھا جلا رکھا تھا، میں نے وہ چادر اس میں ڈالدی، دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا وہ چادر کیا ہوئی، میں نے قصہ سُنادیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنادی، عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ نہ تھا (ابوداؤد)

فائدہ:- اگرچہ چادر کے جلادینے کی ضرورت نہ تھی مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اسکی اور صورت بھی ہوسکتی ہے، ہاں مجھ جیسا نالائق ہوتا تو نہ معلوم کتنے احتمالات پیدا کر لیتا یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کرلوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں اور حضورؐ نے پوچھا ہی تو ہے منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ،

انصاری کا مکان کو ڈھادینا

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولتکدہ سے باہر تشریف لیجارہے تھے راستہ میں ایک قبہ (گنبد دار حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا، ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے، انھوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قبہ بنایا ہے، حضورؐ سن کر خاموش ہو رہے، کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا، حضورؐ نے اعراض فرمایا، سلام کا جواب بھی نہ دیا، انھوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو دوبارہ سلام کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا، وہ اسکے کیسے متحمل ہوسکتے تھے، صحابہؓ سے جو وہاں موجود تھے، دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کیا کہ میں آج حضورؐ کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضورؐ باہر تشریف لیگئے تھے، راستہ میں تمہارا قبہ دیکھا تھا، اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سُنکر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کردیا کہ نام ونشان بھی نہ رہا، اور پھر آکر عرض بھی نہیں کیا، اتفاقاً حضورؐ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے،

دریافت فرمایا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرتؐ کے اعراض کا کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے انھوں نے آکر اس کو بالکل توڑ دیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔[1]

فائدہ: یہ کمال عشق کی باتیں ہیں اُن حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرہ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضورؐ کی گرانی کو محسوس کرے، ان صحابی نے قبہ کو گرایا اور یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرادیا، بلکہ جب حضورؐ کا خود ہی اتفاق سے اُدھر کو تشریف لیجانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا، حضورؐ کو تعمیر میں روپیہ کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار تھا، بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے، خود ازواج مطہراتؓ کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے ٹٹے تھے، جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جاسکے،

ایک مرتبہ حضورؐ کہیں سفر میں تشریف لیگئے، حضرت ام سلمہؓ کو کچھ ثروت حاصل تھی، انھوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچھ کچی اینٹیں لگالیں، واپسی پر جب حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ یہ کیا، انھوں نے عرض کیا کہ اسمیں بے پردگی کا احتمال رہتا ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو تعمیر ہے، عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہوگئی تھی درست کر رہے تھے، حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے (ابوداؤد)

صحابہؓ کا سُرخ چادروں کو اُتارنا

(۳) حضرت رافعؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں، جن میں سُرخ ڈورے تھے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ یہ سُرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے، حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایکدم ایسے گھبرا کے اُٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اُونٹوں سے اُتارلیں (ابوداؤد)

[1] ابوداؤد،

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہاں ہماری زندگی کے اعتبار سے اُن پر تعجب ہوتا ہے، اُن حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی، عروہ بن مسعودؓ جب صلح حدیبیہ میں جس کا قصہ باب اول کے ۳ پر گذرا کفار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے تو مسلمانوں کی حالت کا بڑی غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکہ واپس جاکر کفار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں قاصد بنکر گیا ہوں فارس و روم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ملا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت انکی تعظیم کرتی ہے، کبھی اُن کا بلغم زمین پر نہیں گرنے دیتی وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مل لیتا ہے جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر ملنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں گویا آپس میں جنگ و جدل ہو جائے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں، کوئی شخص ان کی طرف عظمت کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا،

(۴) وائل رضؓ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوانا

وائل بن حجر رضؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا، میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے، میں سامنے آیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا ذُباب ذُباب میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا، میں واپس آگیا اور اُن کو کٹوا دیا، جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن یہ اچھا کیا (ابو داؤد)

فائدہ: ذباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں، اور بری چیز کے بھی، یہ اشارہ پر مٹنے کی بات ہے کہ منشاء سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی، یہاں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو نہیں کہا تھا، مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی،

ابتدائے اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا، پھر منسوخ ہو گیا، حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ حاضر خدمت ہوئے حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے حسب معمول سلام کیا۔ چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا، حضورؐ نے جواب نہ دیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آکر مختلف خیالات نے مجھے آگھیرا، کبھی سوچتا فلاں بات سے ناراضی ہوئی، کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی، آخر حضورؐ نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے اس لئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، تب جان میں جان آئی۔

سہل بن حنظلہؓ کی عادت اور خریم کا بال کٹوانا،

⑤ دمشق میں سہل بن حنظلہ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے جو نہایت یکسو تھے، بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے، دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں مسجد میں آتے جاتے رستہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر جو مشہور صحابی ہیں گذر ہوتا، ابوالدرداءؓ فرماتے کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جاؤ تمہیں کوئی نقصان نہیں ہمیں نفع ہو جائیگا، تو وہ کوئی واقعہ حضورؐ کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے، ایک مرتبہ اسی طرح جا رہے تھے، ابوالدرداءؓ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جائیں، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خریم اسدی اچھا آدمی ہے، اگر دو باتیں نہ ہوں ایک سر کے بال بہت بڑھے رہتے ہیں دوسرے لنگی ٹخنوں کے نیچے باندھتا ہے، ان کو حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا، فوراً چاقو لیکر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی (ابوداؤد)

فائدہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان دونوں باتوں کو ارشاد فرمایا اور انھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ اب یہ نہ ہوں گی، مگر دونوں روایتوں میں کچھ اشکال نہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ خود ان سے بھی ارشاد فرمایا ہو اور غیبت میں بھی ارشاد فرمایا ہو جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کر دیا ہو،

ابن عمرؓ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

⑥ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دیدیا کرو، ابن عمرؓ کے ایک صاحبزادے نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے

کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالینگی آزادی اور فساد وآوارگی کا، حضرت ابن عمرؓ بہت ناراض ہوئے بُرا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضورؐ کا ارشاد سُناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے اسکے بعد سے ہمیشہ کیلئے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا (مسلم، ابوداؤد)

فائدہ: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ بنالیں گی، اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا، اسی وجہ سے خود حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے، حالانکہ حضرت عائشہؓ کا زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ زیادہ بُعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمرؓ کو اس کا تحمل نہیں ہوسکا، کہ حضورؐ کے ارشاد کو سُن کر اس میں کوئی تردّد یا تامّل کیا جائے اور صرف اس بات پر کہ حضورؐ کے ارشاد پر انھوں نے انکار کیا، عمر بھر نہیں بولے، اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں دِقّتیں اُٹھانا پڑیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے جو اُنکی جان تھی مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا، اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اُسی وقت سے شروع ہوگیا تھا، اجازت بھی مشکل تھی، چنانچہ حضرت عاتکہؓ جن کے کئی نکاح ہوئے جن میں سے حضرت عمرؓ سے بھی ہوا وہ مسجد میں تشریف لیجاتی تھیں اور حضرت عمرؓ کو گراں گذرتا تھا، کسی نے اُن سے کہا کہ عمر کو گراں ہوتا ہی، انھوں نے کہا کہ اگر انکو گراں ہی تو منع کردیں، حضرت عمرؓ کے وصال کے بعد حضرت زبیرؓ سے نکاح ہوا، اُن کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی، تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کیلئے یہ جہاں سے جاتی تھیں راستہ میں بیٹھ گئے، اور یہ جب پاس کو گذریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے اُن کو تو جائز تھا ہی، مگر اُن کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں، اس کے بعد سے انھوں نے جانا چھوڑ دیا، دوسرے وقت حضرت زبیرؓ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا، کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا،

ابن عمرؓ سے سوال کہ نمازِ قصر قرآن میں نہیں

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہی اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی

نماز کا ذکر نہیں، انھوں نے فرمایا کہ برادر زادہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ہے، ہم لوگ انجان تھے کچھ نہیں جانتے تھے بس جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا ہے وہ کریں گے (شفا)

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صراحۃً قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں، عمل کیواسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جانا کافی ہے، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کی برابر اور احکام دیئے گئے، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدّوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑ لو جو اس میں احکام ہیں اُن پر عمل کرو (ابو داؤد)

فائدہ: پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد خیال دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں،

ابن مغفل کا خوف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

(۸) عبداللہ بن مغفلؓ کا ایک نو عمر بھتیجا خذف سے کھیل رہا تھا، انھوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادر زادہ ایسا نہ کرو، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں نہ شکار ہو سکتا ہے نہ دشمن کو نقصان پہونچایا جا سکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے، بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا، انھوں نے دیکھ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے حضورؐ کا ارشاد سناتا ہوں، تو پھر اُسی کام کو کرتا ہے خدا کی قسم تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا، ایک دوسرے قصّہ میں اسکے بعد ہے خدا کی قسم تیری جنازہ میں شریک ہونگا نہ تیری عیادت کرونگا (ابن ماجہ، دارمی)

فائدہ: خذف اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینکدیا جائے، بچّوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے، وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے ہاں آنکھ میں کسی کی اتفاقاً لگ جائے تو اس کو زخمی کر ہی دے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کو اس کا تحمّل نہ ہو سکا کہ حضورؐ کا ارشاد سُنانے کے بعد بھی وہ بچّہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضورؐ کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے،

حکیم بن حزام رضؓ کا سوال سے عہد

(۹) حکیم بن حزامؓ ایک مشہور صحابی ہیں، حضورؐ کی خدمت میں

حاضر ہوئے کچھ طلب کیا، حضورؐ نے عطا فرمایا پھر کسی موقع پر کچھ مانگا، حضورؐ نے پھر مرحمت فرمایا تیسری دفعہ پھر سوال کیا حضورؐ نے پھر عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حکیم یہ مال سبز باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے مگر اس کا دستور یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغناء سے ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے، حکیمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حکیمؓ کو بیت المال میں سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا انھوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار اصرار کیا مگر انھوں نے انکار ہی فرما دیا، (بخاری)

فائدہ، یہی وجہ ہے کہ آجکل ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں،

حذیفہؓ کا جاسوسی کیلئے جانا

(۱۰) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہمارے ایک طرف تو مکہ کے کفار اور اُن کیساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے، اور حملہ کیلئے تیار تھے اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنو قریظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تلے ہوئے تھے، جنسے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل و عیال کو بالکل ختم نہ کر دیں، ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلے میں پڑے ہوئے تھے، منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لیکر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے، اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی نہ اس کے بعد اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا، منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، ہم تین سو کا مجمع اسی جگہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے اور اس اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے، اتنے میں میرے پاس کو حضورؐ کا گذر ہوا، میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں بیوی کی تھی، میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا، حضورؐ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حذیفہ، مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جاکر انکی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے میں اس وقت گھبراہٹ خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا، مگر تعمیلِ ارشاد میں اُٹھ کر فوراً چل دیا، جب میں جانے لگا تو حضورؐ نے دعا دی؛

اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ۔ "یا اللہ آپ اسکی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے اوپر سے اور نیچے سے"، حذیفہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں، حضورؐ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو چُپ چاپ دیکھ کر آجائیو کہ کیا ہو رہا ہے، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں، ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ پر پھیرتا ہے اور ہر طرف سے واپس چلدو واپس چلدو کی آوازیں آرہی ہیں، ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دیکر کہتا ہے واپس چلو، اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر اُنکے خیموں پر برس رہے تھے، خیموں کی رسّیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے، ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا آگ پر سینک رہا تھا، میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں، ترکش سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا، مگر پھر حضورؐ کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا، اس لئے میں نے تیر ترکش میں رکھ دیا، ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے تم میں کوئی جاسوس ہے، ہر شخص

اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے، میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا سبحان اللہ تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں ہوں، میں وہاں سے واپس آیا، جب آدھے راستہ پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے، انھوں نے کہا اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بیفکر رہیں، میں واپس پہنچا تو حضورؐ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضورؐ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے، نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا، جاسوس کا قصّہ سن کر دندانِ مبارک چمکنے لگے، حضورؐ نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصّہ مجھ پر ڈال دیا میں نے اپنے سینے کو حضورؐ کے تلووں سے چمٹا لیا (درِ منثور)

فائدہ: انہی حضرات کا یہ حصّہ تھا اور انہی کو زیبا تھا، کہ اسقدر سختیوں اور دِقّتوں کی حالت میں بھی تعمیل ارشاد تن من جان مال سب سے زیادہ عزیز تھی، اللہ جلّ شانہ بلا استحقاق اور بلا اہلیت مجھ ناپاک کو بھی انکے اتباع کا کوئی حصّہ نصیب فرمادے تو زہے قسمت،

دسواں باب

عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے، اس کے برخلاف ہمارے زمانے میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جس میں اس پر دین کے خلاف اثر پڑے، یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے، جب ایسے ماحول میں ابتدائی زندگی گذریگی، تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے وہ ظاہر ہیں،

تسبیحاتِ حضرت فاطمہؓ

(۱) حضرت علیؓ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور فاطمہؓ کا جو حضورؐ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں قصّہ سناؤں، شاگرد نے کہا

ضرور، فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں، جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے، اور خود پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں جس کی وجہ سے سینے پر مشک کی رسّی کے نشان پڑ گئے تھے، اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں، میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ تم بھی جا کر حضورؐ سے ایک خدمت گار مانگ لو تاکہ تم کو کچھ مدد مل جاوے، وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی اس لئے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی واپس آگئیں، دوسرے دن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ کل تم کس کام کیلئے گئی تھیں؟ وہ شرم کی وجہ سے چُپ ہوگئیں، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ انکی یہ حالت ہے کہ چکی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور مشک کی وجہ سے سینہ پر رسّی کے نشان ہوگئے، ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں، میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپکے پاس خادم آئے ہوئے ہیں ایک یہ بھی مانگ لیں، اس لئے گئی تھیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میرے اور علیؓ کے پاس ایک ہی بستر ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے، رات کو اسکو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اسی پر گھاس دانہ ڈال کر اونٹ کو کھلاتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر، حضرت موسیٰؑ اور انکی بیوی کے پاس دس برس تک ایک ہی بچھونا (بستر) تھا، وہ بھی حضرت موسیٰؑ کا چوغا تھا، رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے، تو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر، اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ، اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے تو سُبْحَانَ اللہِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ مرتبہ اور اَللہُ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کر، یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے، حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا میں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے راضی ہوں (ابو داؤد)

فائدہ: یعنی جو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی رضا میرے بارے میں ہو مجھے بخوشی

منظور ہے، یہ بھی زندگی دوجہاں کے بادشاہ کی بیٹی کی، آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسے ہو جائیں تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج تو درکنار اپنا کام بھی نہ کر سکیں، پاخانہ میں لوٹا بھی ماما ہی رکھ کر آوے، اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا صرف سونے کیوقت کا ذکر ہے، دوسری حدیث میں ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بھی آیا ہے،

حضرت عائشہؓ کا صدقہ (۲) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو گونیں درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں جنمیں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے، حضرت عائشہؓ نے طباق منگایا اور انکو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے، ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا، خود روزہ دار تھیں، افطار کیوقت باندی سے کہا کہ افطار کیلئے کچھ لے آؤ، وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لائیں اور عرض کرنے لگیں کیا اچھا ہوتا کہ ایک درم کا گوشت ہی منگا لیتیں، آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے، فرمانے لگیں اب طعن دینے سے کیا ہو اُس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی (تذکرہ)

فائدہ، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس نوع کے نذرانے امیر معاویہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے، کیونکہ وہ زمانہ فتوحات کی کثرت کا تھا، مکانوں میں غلّہ کی طرح سے اشرفیوں کے انبار پڑے رہتے تھے، اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گذاری جاتی تھی، حتّٰی کہ افطار کیواسطے بھی ماما کے یاد دلانیکی ضرورت تھی، پچیس ۲۵۰۰۰ ہزار روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور یہ بھی خیال نہ آیا کہ میرا روزہ ہے، اور گوشت بھی منگانا ہے، آجکل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچّا ہونے میں تردّد ہونے لگا، لیکن اُس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے انکے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں، خود حضرت عائشہؓ کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں، ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، ایک فقیر نے آ کر سوال کیا، خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی

اس کو دیدو، اس نے عرض کیا کہ افطار کیلئے گھر میں کچھ بھی نہیں، فرمایا کیا مضائقہ ہے، وہ روٹی اس کو دیدو، اس نے دیدی (مؤطا) ایک مرتبہ ایک سانپ مار دیا، خواب میں دیکھا کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو حضور کی بیبیوں کے یہاں نہ آتا، اس نے کہا مگر پردہ کی حالت میں آیا تھا، اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی، اور بارہ ہزار درم جو ایک آدمی کا خون بہا ہوتے ہیں صدقہ کئے، عروہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور اپنے کرتہ میں پیوند لگ رہا تھا (طبقات)

ابن زبیر رض کا عائشہ رض کو صدقہ سے روکنا

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رض حضرت عائشہ رض کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں، انھوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا، حضرت عائشہ رض کی اس فیاضی سے پریشان ہو کر خود تکلیفیں اٹھائیں، اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہدیا کہ خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہئے، حضرت عائشہ رض کو بھی یہ فقرہ پہنچ گیا اس پر ناراض ہوگئیں، کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے، اور ان سے نہ بولنے کی نذر کے طور پر قسم کھالی، حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا، بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر انھوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا، آخر جب عبداللہ بن زبیر رض بہت ہی پریشان ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ ہو لئے، جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہ رض پردہ کے اندر بیٹھکر بات چیت فرمانے لگیں تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد کی، وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے، اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور کے ارشادات یاد دلاتے رہے، اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے وہ سناتے رہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رض ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب وارد ہوا اس کی تاب نہ لا سکیں اور رونے لگیں، آخر معاف فرما دیا اور بولنے لگیں لیکن اپنی اس قسم کے کفارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں، حتیٰ کہ چالیس غلام

آزاد کیے اور جب بھی اُس قسم کے توڑنے کا خیال آجاتا اتنا روتیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیگ جاتا (بخاری)

فائدہ: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھالیتے ہیں، اور پھر اسکی کتنی پرواہ کرتے ہیں، اس کا جواب اپنے ہی سوچنے کا ہے، دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتادے لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے اور اللہ سے عہد کرلینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گذرتی ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رض کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا تو بہت زیادہ غمگین ہوتی تھیں

حضرت عائشہ رض کی حالت اللہ کے خوف سے،

(۴) حضرت عائشہ رض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی محبت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب حضور ؐ سے کسی نے پوچھا کہ آپکو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپنے فرمایا عائشہ سے، اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی زیادہ واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ مسائل کی تحقیق کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام انکو سلام کرتے تھے، جنت میں بھی حضرت عائشہ رض کو حضور ؐ کی بیوی ہونے کی بشارت دیگئی ہے، منافقوں نے آپ پر تہمت لگائی تو قرآن شریف میں آپکی براءۃ نازل ہوئی، خود حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی اُن میں شریک نہیں، ابن سعد نے اُن کو مفصل نقل کیا ہے، صدقہ کی کیفیت پہلے قصوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا، فرمایا کرتیں کہ کاش میں درخت ہی ہو جاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش میں پتھر ہوتی، کاش میں مٹی کا ڈلا ہوتی کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی، کاش میں درخت کا پتہ ہوتی، کاش میں کوئی گھاس ہوتی (ابن سعد)

فائدہ: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں چھٹے قصہ میں بھی گذر چکا ہے اُن حضرات کی یہ عام حالت تھی اللہ سے ڈرنا انہی کا حصہ تھا،

ام سلمہ رض کے خاوند کی دعاء اور ہجرت

(۵) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رض حضور ؐ

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابو سلمہ صحابیؓ کے نکاح میں تھیں، دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُمّ سلمہؓ نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ میں نے یہ سُنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح کرے تو وہ عورت جنّت میں اسی مرد کو ملیگی، اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اس کو ملیگی، اس لئے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے دوسرا نکاح نہ کرے، ابو سلمہؓ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی؟ اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کر رہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں، ابو سلمہؓ نے کہا تو میرے بعد تم نکاح کرلینا، پھر دُعا کی کہ یا اللہ میرے بعد اُمّ سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اس کو رنج پہنچائے نہ تکلیف دے،

ابتداءِ اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت شاہی کی آگے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی جس کا مفصّل قصہ خود اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرا کر خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لیکر چلے، میرے میکہ کے لوگوں بنو مغیرہ نے دیکھ لیا، انھوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی لڑکی کو تمھارے ساتھ کیوں جانے دیں کہ یہ شہر در شہر پھرے، یہ کہکر اونٹ کی نکیل ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے، میری سُسرال کے لوگ بنو عبد الاسد کو جو ابو سلمہؓ کے رشتہ دار تھے جب اس قصہ کی خبر ملی تو وہ میرے میکہ والوں بنو مغیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا اختیار ہے مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو تمھارے پاس کیوں چھوڑ دیں جبکہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا، اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ کو بھی مجھ

ف اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرے تو اس میں دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اس کو اختیار دیدیا جاویگا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کرلے، یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن عورتوں کو دونوں خاوند برابر ہوں اُن کے حق میں پہلی حدیث ہو، اس بارہ میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی ۱۲ ز

سے چھین لیا، اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جُدا جُدا ہو گئے، خاوند تو مدینہ چلے گئے، میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا اپنی ددھیال میں پہونچ گیا، میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی، اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گذر گیا، نہ میں خاوند کے پاس جا سکی، نہ بچہ مجھے مل سکا، ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، غرض میری چچازاد بھائی نے کہہ سنکر اس بات پر ان سب کو راضی کر لیا، انھوں نے مجھے اجازت دیدی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا یہ دیکھ کر بنو عبدالاسد نے بھی لڑکا مجھے دیدیا، میں نے ایک اونٹ تیار کیا، اور بچہ کو گود میں لیکر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی، میں چار میل چلی تھی کہ تنعیم میں عثمان بن طلحہ رضؓ مجھے ملے، مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جا رہی ہو، میں نے کہا کہ اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، انھوں نے کہا کوئی تمھارے ساتھ نہیں، میں نے کہا اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے، انھوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے، خدا پاک کی قسم مجھے عثمان رضؓ سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا، جب اُترنے کا وقت ہوتا تو وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے، میں اُتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اُس پر سوار ہو جاتی، اور وہ آکر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے، اسی طرح ہم مدینہ منوّرہ پہنچے، جب قبا میں پہنچے تو انھوں نے کہا کہ تمھارا خاوند یہیں ہے، اس وقت تک ابو سلمہ رضؓ قبا ہی میں مقیم تھے، عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکہ مکرمہ واپس ہو گئے، پھر کہا کہ خدا کی قسم عثمان بن طلحہ رضؓ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی شاید ہی کسی نے کی ہو (اسد الغابہ)

فائدہ:۔ اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے انکی مدد کا سامان مہیا کر دیا جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ

اسکی مدد فرماتا ہے، بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں، ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو تو تنہا بھی جائز ہے بشرطیکہ ہجرت فرض ہو اس لئے انکے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں،

اُمِّ زیاد کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی جس کے واقعات کثرت سے نقل کئے جاتے ہیں، عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا پہنچ جاتیں، اُمِّ زیاد کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کیلئے چل دیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا، حضور کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار تھے، ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو اُون بُننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دیں گے اور جو بیمار ہوگا اس کی دوا دارو کی مدد ہوسکے گی، ستو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دیدیں گے، حضور نے ٹھیر جانیکی اجازت دیدی (ابوداؤد)

فائدہ: حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا ولولہ اور جرأت پیدا فرمائی تھی جو آجکل مردوں میں بھی نہیں ہے، دیکھئے یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہنچ گئیں، اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کرلئے، حنین کی لڑائی میں امِ سلیم رض باوجودیکہ حاملہ تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہ پیٹ میں تھے شریک ہوئیں، اور ایک خنجر ساتھ لئے رہتی تھیں، حضور نے فرمایا کہ یہ کس لئے ہے، عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئیگا تو اس کے پیٹ میں بھونک دونگی، اس سے پہلے اُحد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوئی تھیں، زخمیوں کی دوا دارو اور بیماروں کی خدمت کرتی تھیں، حضرت انس رض کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رض اور اُمِّ سلیم رض کو دیکھا کہ نہایت مستعدی سے مشک بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں اور جب خالی ہوجاتی تو پھر بھر لاتیں،

اُمِّ حرام رض کی غزوۃ البحر میں شرکت کی تمنّا

(۷) اُمِّ حرام رض حضرت انس رض کی خالہ تھیں، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے انکے گھر تشریف لیجاتے، اور کبھی دوپہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے گھر آرام فرما تھے کہ مُسکراتے ہوئے اٹھے، اُمِ حرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس بات پر آپ مُسکرا رہے ہیں؟ آپنے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائی گئے جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں، اُمِ حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دُعا فرمادیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی ان میں شامل فرمادیں حضورؐ نے فرمایا تم بھی ان میں شامل ہوگی، اس کے بعد پھر حضورؐ نے آرام فرمایا اور پھر مُسکراتے ہوئے اُٹھے، اُمِ حرامؓ نے پھر مُسکرانے کا سبب پوچھا، آپنے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا، اُمِ حرامؓ نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ آپ دُعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہوگی، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہؓ نے جو شام کے حاکم تھے جزائر قبرص پر حملہ کی اجازت چاہی، حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی، امیر معاویہؓ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا جس میں اُمِ حرامؓ بھی اپنے خاوند حضرت عبادہؓ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچر پر سوار ہورہی تھیں کہ وہ بدکا اور یہ اس پر سے گر گئیں جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرماگئیں اور وہیں دفن کیگئیں (بخاری)

فائدہ، یہ ولولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دُعا کراتی تھیں مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعین تھا، اس لئے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہوسکی اور اسی وجہ سے حضورؐ نے اسمیں شرکت کی دُعا بھی نہ فرمائی تھی،

ام سلیمؓ کی لڑکے کے مرنے پر خاوند سے ہمبستری،

(۸) ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ تھیں جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انسؓ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہوگئی تھیں اور حضرت انسؓ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا، اس کے بعد حضرت ابوطلحہؓ سے نکاح کیا جن سے ایک صاحبزادہ ابو عمیر پیدا ہوئے جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن کے گھر تشریف لیجاتے تو

ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے، اتفاق سے ابو عمیر کا انتقال ہوگیا، اُمِّ سلیمؓ نے اُن کو نہلایا دُھلایا کفن پہنایا اور ایک چارپائی پر لٹا دیا، ابو طلحہؓ کا روزہ تھا، اُمِّ سلیمؓ نے اُن کیلئے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا، خوشبو وغیرہ لگائی، رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا، بچہ کا حال پوچھا تو انھوں نے کہدیا کہ اب تو سکون ہی، معلوم ہوتا ہی بالکل اچھا ہوگیا، وہ بے فکر ہوگئے، رات کو خاوند نے صحبت بھی کی، صبح کو جب وہ اٹھے تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی، اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دیدے پھر وہ اسے واپس لینے لگے تو واپس کر دینا چاہیئے یا اُسے روک لے واپس نہ کرے، وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہیئے، روکنے کا کیا حق ہی، مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہی، یہ سنکر اُمِّ سلیمؓ نے کہا کہ تمھارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا وہ اللہ نے لیلیا، ابو طلحہؓ کو اس پر رنج ہوا، اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ کی، صبح کو حضورؐ کی خدمت میں ابو طلحہؓ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعاء دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہٗ اس رات میں برکت عطا فرمادیں، ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی دُعاء کی برکت دیکھی کہ اُس رات کے حمل سے عبداللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے جن کے نو بچے پیدا ہوئے سبنے قرآن شریف پڑھا (فتح)

فائدہ: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہی کہ اپنا بچہ مرجائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے، چونکہ خاوند کا روزہ تھا اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہوگا،

اُمِّ حبیبہؓ کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا،

(۹) اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی، وہاں جاکر خاوند مرتد ہوگیا، اور اسی حالتِ ارتداد میں انتقال کیا، حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گذرا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا، اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا، جیساکہ باب کے ختم پر

بیبیوں کے بیان میں آئے گا، نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں، صلح کے زمانہ میں انکے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضورؐ سے صلح کی مضبوطی کیلئے گفتگو کرنا تھی بیٹی سے ملنے گئے وہاں بستر بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمّ حبیبہؓ نے وہ بستر اُلٹ دیا، باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی اُلٹ دیا، پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا یا میں بستر کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسولؐ کا بستر ہے، اور تم بوجہ مشرک ہونیکے ناپاک ہو اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں، باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونیکے بعد بُری عادتوں میں مبتلا ہوگئیں، مگر اُمّ حبیبہؓ کے دل میں حضورؐ کی جو عظمت تھی اس کے لحاظ سے وہ کب اسکو گوارا کرسکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک باپ ہو یا غیر ہو حضورؐ کے بستر پر بیٹھ سکے،

ایک مرتبہ حضورؐ سے چاشت کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سُنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھادیا، انکے والد بھی جن کا قصہ ابھی گذرا ہے، بعد میں مسلمان ہوگئے تھے جب اُنکا انتقال ہوا تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا، اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت نہ رغبت مگر میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے ہاں خاوند کیلئے چار مہینے دس دن ہیں، اس لئے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے، جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا تو حضرت عائشہؓ کو بلایا اور اُن سے کہا، کہ میرا تمہارا معاملہ سوکن کا تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی نہ کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے اللہ مجھے بھی معاف فرمادیں اور تمہیں بھی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگذر فرمائے، یہ سنکر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت ہی خوشی پہنچائی اللہ تمہیں بھی خوش و خرّم رکھے، اس کے بعد اسی طرح اُمِّ سلمہؓ کے پاس بھی آدمی بھیجا (طبقات)

فائدہ: سوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے

صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں، مگر اُن کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو وہ یہیں نمٹ جائے آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضورؐ کی عظمت اور محبت کا اندازہ تو اس بسترہ کے معاملہ سے ہو ہی گیا،

حضرت زینبؓ کی افک کے معاملہ میں صفائی اور صدقہ

(۱۰) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ رشتہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہوگئی تھیں، ابتدا میں آپ کا نکاح حضرت زیدؓ سے ہوا جو حضورؐ کے آزاد کئے ہوئے غلام تھے اور حضورؐ کے متبنّٰی بھی تھے جس کو لے پالک بھی کہتے ہیں اسی وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے، مگر حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نباہ نہ ہوسکا تو انھوں نے طلاق دیدی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے وہ یہ کہ متبنّٰی بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہئے، اس لئے اپنے نکاح کا پیام بھیجا، حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں، یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی جس کی یہ برکت ہوئی کہ اللہ جل شانہ نے خود حضورؐ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کیا اور قرآن پاک کی آیت فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (ترجمہ) ”پس جب زیدؓ نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کرلیا تو ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دیدیا تاکہ نہ رہے مؤمنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارے میں جبکہ وہ اپنی حاجت اُن سے پوری کرچکیں اور اللہ کا حکم ہوکر ہی رہا۔“ جب حضرت زینبؓ کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوشخبری دی گئی تو جس نے بشارت دی تھی اس کو وہ زیور نکال کر دیدیا جو وہ اُس وقت پہن رہی تھیں، اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی منّت مانی، حضرت زینبؓ کو اس بات پر بجا طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح اُنکے عزیز رشتہ داروں نے کیا مگر حضرت زینبؓ کا نکاح آسمان پر ہوا، اور قرآن پاک میں نازل ہوا، اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی

تھی کہ اُن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا اور انکو آسمان کے نکاح پر ناز تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہؓ پر تہمت کے قصے میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ اوروں کے ان سے بھی دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں عائشہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی، یہ تھی سچی دینداری ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا، اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی مگر اس کے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی،

حضرت زینبؓ بڑی بزرگ تھیں روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں، اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں، اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں، اور جو حاصل ہوتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں، حضورؐ کے وصال کے وقت ازواج مطہراتؓ نے پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کونسی بیوی ملے گی؟ آپ نے فرمایا جس کا ہاتھ لمبا ہو، وہ لکڑی لیکر ہاتھ ناپنے لگیں، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینبؓ ہی کا وصال ہوا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ازواج مطہراتؓ کی تنخواہ مقرر فرمائی اور انکے پاس اُنکے حصہ کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہی، فرمانے لگیں کہ تقسیم کیلئے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں، قاصد نے کہا کہ یہ سب آپ ہی کا حصہ ہی، اور تمام سال کیلئے ہے، تو تعجب سے کہنے لگیں سبحان اللہ، اور مُنہ پر کپڑا ڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں بھی نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ حجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا پھر برزہ سے فرمایا (جو اس قصہ کو نقل کر رہے ہیں) کہ اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ دار اور غریبوں بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم فرما دیا، اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہ نے بھی خواہش ظاہر کی، فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے رہ گیا وہ تم لیجاؤ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لیکر گنا تو چوراسی درہم تھے، اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی

فتنہ ہے، چنانچہ دوسرے سال کی تنخواہ آنے سے پہلے ہی اُن کا وصال ہو گیا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کر دیئے گئے تو انھوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورت میں خرچ کریں، انھوں نے وہ بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے، باوجود کثرتِ فتوحات کے انتقال کیوقت نہ کوئی درم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ تھا جسمیں رہتی تھیں صدقہ کی کثرت کی وجہ سے ماویٰ المساکین (مساکین کا ٹھکانہ) اُن کا لقب تھا (طبقات)

ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینبؓ کے یہاں تھی اور ہم گیرو سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لیگئے، حضرت زینبؓ کو خیال پیدا ہوا کہ حضورؐ کو یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھو ڈالا، دوسرے موقع پر حضورؐ تشریف لائے جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے تو اندر تشریف لائے (ابوداؤد)

فائدہ، عورتوں کو بالخصوص مال سے جو محبت ہوتی ہے وہ بھی مخفی نہیں، اور رنگ وغیرہ سے جو اُنس ہوتا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں، اور حضورؐ کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھو ڈالا،

خنساءؓ کی چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

(۱۱) حضرت خنساءؓ مشہور شاعرہ ہیں، اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں، ابن اثیر کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے نہ اُن کے بعد، حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی، جس میں خنساءؓ اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں، لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی، اور لڑائی کی شرکت پر بہت اُبھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی، اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمھارے باپ سے خیانت کی نہ تمھارے ماموں کو رُسوا کیا، نہ میں نے تمھاری شرافت میں

کوئی دھبہ لگایا نہ تمھارے نسب کو میں نے خراب کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ، نے مسلمانوں کیلئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے، تمھیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہو جانیوالی زندگی سے کہیں بہتر ہے، اللہ جل شانہ، کا پاک ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اُے ایمان والو تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کیلئے تیار رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو" (بیان القرآن)، لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح و سالم اٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا، انشاء اللہ جنت میں اکرام کیساتھ کامیاب ہو کر رہو گے، چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبروار آگے بڑہتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ پیدا کرتا تھا، اور جب شہید ہو جاتا تھا تو اسی طرح دوسرا بڑہتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا، بالآخر چاروں شہید ہوئے، اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے انکی شہادت سے مجھے شرف بخشا، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اسکی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کیساتھ میں بھی ہونگی (اسد الغابہ)

فائدہ، ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانیکی ترغیب دیں، اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آجائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں،

حضرت صفیہؓ کا یہودی کو تنہا مارنا

(۱۲) حضرت صفیہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی اور حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئیں، اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے تو وہ برچھا اُنکے مُنہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں، غزوۂ خندق میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا تھا، اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو بطور محافظ کے

چھوڑ دیا تھا، یہود کیلئے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی، یہود کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ پر پہنچا، حضرت صفیہ رض نے کہیں سے دیکھ لیا، حضرت حسان رض سے کہا کہ یہ یہودی موقع دیکھنے آیا ہے تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو، وہ ضعیف تھے، ضعف کی وجہ سے انکی ہمت نہ ہوئی، تو حضرت صفیہ رض نے ایک خیمہ کا کھونٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اس کا سر کچل دیا، پھر قلعہ میں واپس آکر حضرت حسان رض سے کہا کہ چونکہ وہ یہودی مرد تھا نامحرم ہونیکی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اُتارے تم اس کے سب کپڑے اُتار لاؤ، اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ، حضرت حسان رض ضعیف تھے، جس کی وجہ سے اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے، تو دوبارہ تشریف لیگئیں اور اس کا سر کاٹ لائیں اور دیوار پر چڑھ کر یہود کے مجمع میں پھینک دیا، وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں ضرور اُن کے محافظ مرد اندر موجود ہیں،

فائدہ:- ۲۰ھ میں حضرت صفیہ رض کا وصال ہوا اسوقت انکی عمر تہتر سال کی تھی، اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵ھ میں ہوئی انکی عمر اٹھاون سال کی ہوئی آجکل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام بھی دوبھر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک مرد کا اس طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع،

اسماء رض کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال،

(۱۳) اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا:-

یا رسول اللہ ﷺ میری ماں باپ آپ پر قربان میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں بیشک آپکو اللہ جل شانہ، نے مرد اور عورتوں دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، اس لئے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں

گھری رہتی ہیں پردوں میں بند رہتی ہیں مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہیں اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم اُن کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتے ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں، اور اس سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں، اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کیلئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں اُن کیلئے کپڑا بُنتی ہیں، اُن کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں اُن کے شریک نہیں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُنکر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنیوالی کوئی سُنی؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سُن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے اُن کو بتا دے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے، اسماءؓ یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہوگئیں، (اسد الغابہ)

فائدہ: عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور انکی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے، مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں، پھر حضورؐ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے،

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضورؐ کو سجدہ کیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کریں، حضورؐ نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں جائیگی، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہو کر علیحدہ رات گذارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو۲ آدمیوں کی نماز قبولیت کیلئے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سر سے اوپر ہی ہو جاوے، ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہو، اور ایک وہ عورت جو خاوند کی نافرمانی کرتی ہو (جمع الفوائد)

اُمِّ عمارہ کا اسلام اور جنگ میں شرکت

(۱۴) اُمِّ عمارہؓ انصاریہ اُن عورتوں میں ہیں جو اسلام کے شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور بیعۃ العقبہ میں شریک ہوئیں (عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں، حضورؐ اول چھپ کر مسلمان کرتے تھے، کیونکہ مشرک و کافر لوگ نومسلموں کو سخت تکلیف پہنچاتے تھے، مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور منٰی کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے، تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں ان میں یہ بھی تھیں) ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئیں، بالخصوص اُحد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضاء، حنین، اور یمامہ کی لڑائی میں اُحد کی لڑائی کا قصہ خود ہی سناتی ہیں کہ مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری، اور کوئی پیاسا زخمی ملا تو پانی پلادوں گی، اس وقت انکی عمر تینتالیس۴۳ برس کی تھی، اُن کے خاوند اور دو۲ بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا، مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کو غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں حضورؐ کے قریب پہنچ گئی، اور جو کافر ادھر کا رُخ کرتا تھا اس کو ہٹاتی تھی، ابتدا میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، بعد میں ملی جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں، کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا جس کے اندر مختلف چیتھڑے بھرے ہوئے تھے، جب کوئی

زخمی ہوجاتا تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں، خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں، بارہ تیرہ جگہ زخم آئے جن میں ایک بہت سخت تھا، اُمّ سعیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے اُنکے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ اِدھر اُدھر پریشان پھر رہے تھے تو ابن قمیئہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں، مجھے کوئی بتادو کہ کدھر ہیں، اگر آج وہ بچ گئے تو میری نجات نہیں مصعب بن عمیر اور چند آدمی اس کے سامنے آگئے، جن میں میں بھی تھی، اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا میں نے بھی اُس پر کئی وار کئے، مگر اس پر دوہری زرہ تھی، اس لئے زرہ سے حملہ رُک جاتا تھا، یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا، اسی دوران میں حضورؐ نے حمراء الاسد کی لڑائی کا اعلان فرما دیا، اُمّ عمارہؓ بھی کمر باندھ تیار ہوگئیں، مگر چونکہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا، اس لئے شریک نہ ہو سکیں، حضورؐ جب حمراء الاسد سے واپس ہوئے تو سب سے پہلے اُمِ عمارہؓ کی خیریت معلوم کی، اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے تو بہت خوش ہوئے، اس زخم کے علاوہ اُحد کی لڑائی میں اور بھی بہت سے زخم آئے تھے، اُمّ عمارہؓ کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح سے پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا، جب گھوڑے پر کوئی آتا اور مجھے مارتا تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے مُنہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا، اور جب وہ گرتا تو حضورؐ میرے لڑکے کو آواز دیکر میری مدد کے لئے بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اس کو نمٹادیتے، اُن کے بیٹے عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا نہ تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹی باندھ لو، میری والدہ آئیں اپنی کمر سے کچھ کپڑا نکالا، پٹی باندھی، اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا کافروں سے مقابلہ کر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ رہے تھے فرمانے لگے اُمّ عمارہؓ اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا جتنی تو رکھتی ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں اُن کو اور اُن کے گھرانہ کو

کئی بار دُعائیں بھی دیں اور تعریف بھی فرمائی، اُمِّ عمارہؓ کہتی ہیں کہ اسی وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے، میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا، جس سے وہ زخمی ہوا، اور ایک دم بیٹھ گیا، حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا، اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹادیا، حضورؐ نے جب ہم لوگوں کو دُعائیں دیں تو میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ دعاء فرمائیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں آپؐ کی رفاقت نصیب فرمائیں، جب حضورؐ نے اس کی دعاء فرمادی تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گذری،

اُحد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی اس میں بھی اُمِّ عمارہؓ شریک تھیں، اُن کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا، اور اس کے علاوہ گیارہ زخم بدن پر آئے تھے، انہی زخموں کی حالت میں مدینہ طیبہ پہونچیں (طبقات)

فائدہ: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں جن کی عمر اُحد کی لڑائی میں تینتالیس برس کی تھی جیساکہ پہلے گذرا، اور یمامہ کی لڑائی میں تقریباً باون برس کی، اس عمر میں ایسے معرکوں کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے،

اُمِّ حکیم کا اسلام اور جنگ میں شرکت

(۱۵) اُمِّ حکیم بنت حارث جو عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں، اور کفار کی طرف سے اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئی تھیں، جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو مسلمان ہوگئیں، خاوند سے بہت زیادہ محبت تھی، مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور جب مکہ فتح ہوگیا تو یمن بھاگ گئے تھے، انھوں نے حضورؐ سے اپنے خاوند کیلئے امن چاہا، اور خود یمن پہنچیں، خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے اُن کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے، تم میرے ساتھ چلو، وہ مدینہ طیبہ واپس آکر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش وخرم رہے، پھر حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہؓ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں حضرت عکرمہؓ اس میں شہید ہو گئے، تو خالد بن سعیدؓ نے اُن سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں مرج الصفر ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا ابھی دشمنوں کا جمگھٹا ہے اس کو نمٹنے دیجیے، خاوند نے کہا مجھے اس معرکہ میں اپنے شہید ہونیکا یقین ہے وہ بھی چپ ہو گئیں، اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں رخصتی ہوئی، صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں خالد بن سعیدؓ شہید ہوئے ام حکیمؓ نے اس خیمہ کو اکھاڑا، جس میں رات گذری تھی، اور اپنا سب سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لیکر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تن تنہا قتل کیا، (اسد الغابہ)

فائدہ، ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار مرد بھی ایسے وقت میں نکاح کو تیار نہ ہوتا، اور اگر نکاح ہو بھی جاتا تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ میں گذرتے، اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کر دیا اور عورت ہو کر سات آدمیوں کو قتل کیا،

حضرت سمیہؓ ام عمارؓ کی شہادت

⑯ سمیہؓ بنت خیاط حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، جن کا قصہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر گذر چکا ہے، یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمارؓ اور اپنے خاوند حضرت یاسرؓ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں مگر اسلام کی سچی محبت جو دل میں گھر کر چکی تھی اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا، اُن کو گرمی کے وقت سخت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا تاکہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر کو گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے، اور جنت کا وعدہ فرماتے، ایک مرتبہ حضرت سمیہؓ کھڑی تھیں کہ ابو جہل کا ادھر کو گذر ہوا، برا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں، اسلام کیخاطر سب سے پہلی شہادت انہی کی ہوئی (اسد الغابہ)

فائدہ: عورتوں کا اس قدر صبر و ہمت اور استقلال قابلِ رشک ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے اب بھی عشق کے بیسیوں قصے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دیدی، مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے رستہ میں ہو دین کی خاطر ہو تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے سرخروئی کا سبب ہے، اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو تو دنیا تو گئی تھی ہی آخرت بھی برباد ہوئی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی زندگی اور تنگی

⑰ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ اور حضرت عائشہؓ کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں، کہتے ہیں کہ سترہ[17] آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں، ہجرت سے ستائیس[27] سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زیدؓ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل و عیال کو لے آئیں، انکے ساتھ ہی حضرت اسماء بھی چلی آئیں، جب قبا میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔

اس زمانہ کی عام غربت، تنگدستی، فقر و فاقہ مشہور و معروف ہیں، اور اس کے ساتھ ہی اُس زمانہ کی ہمت، جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں، بخاری میں حضرت اسماءؓ کا طرزِ زندگی خود انکی زبان سے نقل کیا ہے فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیرؓ سے ہوا تو اُن کے پاس نہ مال تھا نہ جائداد نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز، ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا، میں ہی اونٹ کیلئے گھاس وغیرہ لاتی تھی، اور کھجور کی گھٹلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی، خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی، اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی، اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی، مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میری لئے زیادہ

مشقت کی چیز تھی، روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لیجاتی وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے پر زبیرؓ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دیدی جو دو میل کے قریب تھی، میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لادکر لایا کرتی تھی، میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھڑی میرے سر پر تھی، راستہ میں حضورؐ مل گئے، اونٹ پر تشریف لارہے تھے، اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی، حضورؐ نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھیرایا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر سوار ہوجاؤں، مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی، اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیرؓ کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے اُن کو بھی یہ ناگوار ہوگا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے حضورؐ تشریف لیگئے، میں گھر آئی اور زبیرؓ کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضورؐ ملے اور یہ ارشاد فرمایا، مجھے شرم آئی اور تمھاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم تمھارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے بہت زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے) اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم جو حضورؐ نے ان کو دیا تھا میرے پاس بھیجدیا، جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی، گویا بڑی قید سے میں آزاد ہوگئی (بخاری، فتح)

فائدہ، عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دَل کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں،

حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت کے وقت سارا مال لیجانا اور حضرت اسماءؓ کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

(۱۸) جب حضرت ابوبکرؓ ہجرت فرماکر تشریف لیجارہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت درپیش ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی وہ سب

ساتھ لیگئے تھے، ان حضرات کے تشریف لیجانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پوتیوں کے پاس تسلّی کے لئے آئے آکر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابو بکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا، کہ دوہری مشقت تم پر ڈالی، اسماءؓ کہتی ہیں میں نے کہا نہیں دادے ابّا وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں، یہ کہکر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے، اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا جس سے انھوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں کہنے لگے خیر یہ اس نے اچھا کیا تمھارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائیگی، اسماءؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا مگر میں نے دادے کی تسلّی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ اُن کو اس کا صدمہ نہ ہو (مسند احمد)

فائدہ: یہ دل گردہ کی بات ہے ورنہ دادے سے زیادہ اُن لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہئے تھا، اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا انہی پر تھا، اُن کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جُدائی دوسرے گذارہ کی کوئی صورت ظاہرا نہیں، پھر مکہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق، مگر اللہ جلّ شانہٗ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اوّل میں نہایت مال دار اور بہت بڑے تاجر تھے، لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی کچھ لادیا، جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصہ میں مفصّل گذرا ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابو بکرؓ کے مال نے میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں مگر ابو بکرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے،

حضرت اسماءؓ کی سخاوت

(۱۹) حضرت اسماءؓ بڑی سخی تھیں، اوّل جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کرو حساب لگایا کرو جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کیا کرو، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں، اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہوگی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہوگی تو صدقہ میں خرچ کردینے سے نقصان میں نہ رہوگی (طبقات) فائدہ: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ خیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی، آجکل مسلمانوں میں افلاس و تنگی کی عام شکایت ہے مگر شاید ہی ایسی کوئی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو یا اُن پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو،

حضرت زینبؓ حضورؐ کی بیٹی کی ہجرت اور انتقال

(۲۰) دو جہان کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ نبوت سے دس برس پہلے جبکہ حضورؐ کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں، اور خالہ زاد بھائی ابو العاص ابن ربیع سے نکاح ہوا، ہجرت کے وقت حضورؐ کے ساتھ نہ جاسکیں، اُن کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفار کے ساتھ شریک ہوئے، اور قید ہوئے، اہلِ مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کیلئے فدیئے ارسال کئے تو حضرت زینبؓ نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لئے مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی، آبدیدہ ہوئے اور صحابہ کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ابو العاص کو بلا فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جاکر حضرت زینبؓ کو مدینہ طیبہ بھیجدیں، حضورؐ نے دو آدمی حضرت زینبؓ کو لینے کے لئے ساتھ کردیئے کہ وہ مکہ سے باہر ٹھیر جائیں اور اُن کے پاس تک ابو العاص پہنچادیں، چنانچہ حضرت زینبؓ اپنے دیور کنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں، کفار کو جب اس کی خبر ہوئی تو آگ بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مزاحمت کے لئے پہنچ گئی، جن میں ہبار بن اسود جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی کا لڑکا

تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینبؓ کا بھائی ہوا وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے حبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینبؓ کے نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چونکہ حاملہ تھیں، اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا، کنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا، ابوسفیان نے اُن سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان چلی جاوے، یہ تو گوارا نہیں، اس وقت واپس چلو پھر چپکے سے بھیجدینا، کنانہ نے اس کو قبول کرلیا، اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا، حضرت زینبؓ کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا، رضی اللہ عنہا وارضاہا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی، دفن کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اُترے اور دفن فرمایا، اُترتے وقت بہت رنجیدہ تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا، صحابہؓ نے دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینبؓ کے ضعف کا خیال تھا، میں نے دعاء کی کہ قبر کی تنگی اور اسکی سختی اس سے ہٹادی جائے اللہ نے قبول فرمالیا (خمیس اسد الغابہ)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اُٹھائی کہ جان بھی اسی میں دی، پھر بھی قبر کی تنگی کے لئے حضورؐ کی دعاء کی ضرورت پیش آئی تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا اس لئے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لئے دُعاء کرنا چاہیے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَفَضْلِكَ،

ربیع بنتِ معوذ کی غیرت دینی

(۲۱) ربیع بنتِ معوذ ایک انصاری صحابیہ ہیں، اکثر لڑائیوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئی ہیں، زخمیوں کی دوا دارو فرمایا کرتی تھیں، اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اُٹھا کر لایا کرتی تھیں، حضورؐ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں، ہجرت

۔نے بعد شادی ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شادی کے دن اُن کے گھر تشریف لیگئے تھے وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور انکے بڑوں کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے، اُن میں سے ایک نے یہ مصرعہ بھی پڑھا "وَفِینَا نَبِیٌّ یَعۡلَمُ مَافِیۡ غَدٍ" (ہم میں ایک ایسے نبیؐ ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضورؐ نے اس کے پڑھنے کو منع فرما دیا، کیونکہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں، رُبیع کے والد حضرت معوذ ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں، ایک عورت جس کا نام اسماء تھا عطر بیچا کرتی تھی، وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت رُبیع کے گھر بھی گئی، اور ان سے نام حال پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے دریافت کیا، انھوں نے بتا دیا، اُن کے والد کا نام سُن کر وہ کہنے لگی کہ تو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے، ابوجہل چونکہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اپنے سردار کا قاتل کہا، یہ سُن کر رُبیعؓ کو غصہ آگیا، کہنے لگیں کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں، رُبیعؓ کو غیرت آئی، کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سُنے، اس لئے انھوں نے اپنے غلام کے لفظ سے ذکر کیا، اسماء کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سُن کر غصہ آیا، اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں، رُبیعؓ نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ میں تجھ سے عطر خریدوں، میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی (اسد الغابہ)

فائدہ: رُبیع کہتی ہیں کہ میں نے بدبُو کا لفظ اس کے جلانے کو کہا تھا، یہ حمیت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سُن سکیں، آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ نظر بتا دیا جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہو گیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا (ابوداؤد)



(معلومات)

اُمّہاتُ المؤمنین رض کے مختصر حالات

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کے لئے اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا چاہئے بھی، اس لئے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کیلئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہیئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جن پر محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے گیارہ عورتوں سے ہوا، اس سے زیادہ میں اختلاف ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان سب میں پہلا نکاح حضرت خدیجہ رض سے ہوا، جو بیوہ تھیں، حضور کی عمر شریف اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہ رض کی عمر چالیس برس کی تھی، حضور کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم رض کے سب انہی سے ہوئی، جن کا بیان بعد میں آئے گا حضرت خدیجہ رض کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی، اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا، اہل تاریخ کا اس میں اختلاف ہے، کہ اُن دونوں میں پہلے کس سے نکاح ہوا، اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جن کا نام ہند تھا، اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحب اولاد بھی، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ یا عبدمناف تھا، عتیق کے بعد پھر حضرت خدیجہ رض کا نکاح ابوہالہ سے ہوا، جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں، اکثروں نے کہا کہ دونوں لڑکے تھے، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی، ہند حضرت علی رض کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے، ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، جس وقت کہ حضرت خدیجہ رض کی عمر چالیس برس کی تھی نکاح کے بعد پچیس برس حضور کے نکاح میں رہیں،

لو در رمضان ۱۰ھ نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد محبت تھی، اور اُن کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے طاہرہ تھا، اسی وجہ سے انکی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی بنو الطاہرہ کہلاتی ہے، انکے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں، اُنکے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر مبارک میں اتر کر اُن کو دفن فرمایا تھا، نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی،

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا، اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کس کا نکاح پہلے ہوا، بعض مورخین نے حضرت عائشہؓ سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے، اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہؓ سے پہلے ہوا، بعد میں حضرت عائشہؓ سے، حضرت سودہؓ بھی بیوہ تھیں، اُن کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں، دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لیگئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہوگیا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آکر انتقال فرمایا، اُن کے انتقال کے بعد ۱۰ھ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد اُن سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی، حضورؐ کی عادتِ شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی، ایک مرتبہ حضورؐ سے انھوں نے عرض کیا کہ رات آپنے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہوگیا (یہ بھی حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں چونکہ بدن کی بھاری تھیں، اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی) -

ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خاوند کی خواہش نہیں، مگر یہ تمنا ہے کہ جنت میں حضورؐ کی بیبیوں میں داخل رہوں اس لئے مجھے آپ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری عائشہؓ کو دیتی ہوں، اس کو حضورؐ نے قبول فرما لیا اور اسی وجہ سے اُنکی باری کا دن حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آتا تھا، ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں

وفات پائی، انکے علاوہ ایک سودہؓ اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں، حضورؐ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا انھوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں، مجھے یہ بات گراں ہے کہ وہ آپؐ کے سرہانے روئیں چلائیں حضورؐ نے انکی اس بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی کردیا،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہؓ سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا، جس وقت کہ اُنکی عمر چھ سال کی تھی، حضورؐ کی بیبیوں میں یہی صرف ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا، نبوت کے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں، اور ہجرت کے بعد جبکہ اُن کی عمر کو نواں ۹ برس تھا رخصتی ہوئی، اور اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر میں حضورؐ کا وصال ہوا، اور چھیاسٹھ ۶۶ سال کی عمر میں، ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں اُن کا وصال ہوا، خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں دفن کیا جائے، حضورؐ کے قریب حجرۂ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے، چنانچہ بقیع میں دفن کی گئیں، عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا رخصتی بھی شوال میں ہوئی، حضورؐ کی بیبیوں میں کونسی مجھ سے زیادہ نصیبہ ور اور حضورؐ کی محبوبہ تھی،

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ حکیم کی بیٹی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ نکاح نہیں کرتے؟ حضورؐ نے فرمایا کس سے عرض کیا کنواری بھی ہے بیوہ بھی ہے جو منظور ہو، حضورؐ نے دریافت فرمایا، تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر کی لڑکی عائشہ ہے، اور بیوہ سودہ بنت زمعہ، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کرکے دیکھ لو، وہ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں، اور حضرت عائشہؓ کی والدہ اُمّ رُومان سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لیکر آئی ہوں، دریافت کرنے پر کہا کہ حضورؐ نے مجھے عائشہ سے منگنی کرنیکے لئے بھیجا ہے، اُمّ رُومان نے کہا وہ تو اُنکی بھتیجی ہے، اس سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے، اچھا

ابوبکر کو آنے دو، حضرت ابوبکرؓ اُس وقت گھر پر موجود نہ تھے، اُن کے تشریف لانے پر اُن سے بھی یہی ذکر کیا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضورؐ کی بھتیجی ہیں، حضورؐ سے کیسے نکاح ہوسکتا ہی، خولہؓ نے جاکر حضورؐ سے عرض کیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں انکی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے، خولہؓ واپس ہوئیں، اور حضرت ابوبکرؓ کو جواب سُنایا، وہاں کیا دیر تھی، کہا بلالاؤ، حضورؐ تشریف لیگئے اور نکاح ہوگیا، ہجرت کے چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہؓ کو کیوں نہیں بُلالیتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر فرمایا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نذرانہ پیش کیا، جس سے تیاری ہوئی، اور شوال سنہ ۱ھ یا سنہ ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے دولتکدہ پر بنا یعنی رخصتی ہوئی، یہ تین نکاح حضورؐ کے ہجرت سے پہلے ہوئے، اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے،

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا، حضرت حفصہؓ نبوتؐ سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں پہلا نکاح مکہ ہی میں خنیس بن حذافہؓ سے ہوا، یہ بھی پُرانے مسلمان ہیں، جنھوں نے اوّل حبشہ کی ہجرت کی، پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، بدر میں بھی شریک ہوئے، اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں اُن کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور سنہ ۲ھ یا سنہ ۳ھ میں انتقال فرمایا، حضرت حفصہؓ بھی اپنے خاوند کیساتھ ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ ہی آگئی تھیں، جب بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ سے درخواست کی کہ میں حفصہؓ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے سکوت فرمایا اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ سے ذکر فرمایا، انھوں نے فرمادیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں، حضورؐ سے حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت کی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہؓ کیلئے عثمانؓ سے بہتر خاوند اور عثمان کیلئے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں

اس کے بعد حضرت حفصہؓ سے ۲ھ یا ۳ھ میں نکاح کیا، اور حضرت عثمانؓ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ سے کر دیا، انکے پہلے خاوند کے انتقال میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے، بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں، اسی وجہ سے اُنکے نکاح میں بھی اختلاف ہے، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا تمھیں اسوقت ناگواری ہوئی ہوگی، مگر چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے، اس لئے نہ تو میں قبول کر سکتا تھا اور نہ حضورؐ کے راز کو ظاہر کر سکتا تھا، اس لئے سکوت کیا تھا، اگر حضورؐ ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں ضرور کر لیتا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو بکرؓ کے سکوت کا عثمانؓ کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا،

حضرت حفصہؓ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں، کسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو ایک طلاق بھی دی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا، اور ہونا بھی چاہیے تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہ سے رجوع کر لو، یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں، اور عمرؓ کی خاطر بھی منظور ہے، اس لئے حضورؐ نے رجوع فرما لیا، جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جبکہ اُن کی عمر تقریباً ترسیٹھ ۶۳ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا، بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ ۶۰ برس کی لکھی ہے،

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے بعد حضورؐ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا، حضرت زینبؓ خزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے، بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبد اللہ بن جحش سے نکاح ہوا تھا، جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے جن کا قصہ باب ۷ کی پہلی حدیث میں گذرا تو حضورؐ نے نکاح کیا، اور بعض نے لکھا ہے کہ اُن کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا، اُن کے طلاق دینے کے بعد انکے بھائی عبیدہ بن الحارث سے ہوا، جو بدر میں شہید ہوئے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے اکتیس ۳۱ مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا، آٹھ مہینے حضورؐ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر

سنہ ۲۰ھ میں انتقال فرمایا، حضورؐ کی بیبیوں میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضورؐ کے سامنے ہوا، باقی نو حضورؐ کے وصال کے وقت زندہ تھیں جن کا بعد میں انتقال ہوا، حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں اسی وجہ سے اُن کا نام اسلام سے پہلے بھی اُمّ المساکین (مسکینوں کی ماں) تھا،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اُن کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُمِ سلمہؓ سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ بن الاسد تھا، دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں، کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام سلمہ تھا، حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۵ پر مفصل گذر چکا ہے، مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمر اور ۲ دو لڑکیاں دُرہ اور زینب پیدا ہوئیں، ابوسلمہؓ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے، بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے، اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آگیا تھا، جس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی، اس کے بعد صفر سنہ ۴ھ میں ایک سریہ میں تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہو گیا، اور اسی میں ۸ رجمادی الاخری سنہ ۴ھ میں انتقال کیا، حضرت اُمِ سلمہؓ اُس وقت حاملہ تھیں اور زینبؓ پیٹ میں تھیں جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نکاح کی خواہش فرمائی تو انھوں نے عذر کر دیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی یہاں ہے نہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی انشاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا، تو انھوں نے اپنے بیٹے سلمہؓ سے کہا کہ حضورؐ سے میرا نکاح کر دو، اخیر شوال سنہ ۴ھ میں حضورؐ سے نکاح ہوا، بعض نے سنہ ۳ھ میں اور بعض نے سنہ ۲ھ میں لکھا ہے، اُمِ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سُنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دُعا کرے اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْهَا،

(اے اللہ مجھے اس مصیبت سے اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما) تو اس کو اللہ جل شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے، ابو سلمہ رضؓ کے مرنے پر میں دعا، تو پڑھ لیتی مگر میں یہ سوچتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے کہ اللہ نے حضورؐ سے نکاح کرا دیا،

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اُن کے حُسن کی بہت شہرت تھی، جب نکاح ہو گیا تو میں نے چھپ کر حیلہ سے جا کر دیکھا تو جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا، میں نے حفصہ رضؓ سے اس کا ذکر کیا انھوں نے کہا نہیں ایسی حسین نہیں جتنی شہرت ہے،

اُمّہات المؤمنین میں سب سے اخیر میں حضرت اُمّ سلمہ رضؓ کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا، اُس وقت چوراسی سال کی عمر تھی، اس لحاظ سے نبوّت سے تقریباً ۹ نو برس پہلے پیدا ہوئیں، حضرت زینب رضؓ بنت خزیمہ رضؓ کے انتقال کے بعد اُن سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضؓ کے مکان میں مقیم ہوئیں، انھوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جو رکھے ہیں اور ایک چکّی اور ہانڈی بھی، انھوں نے جو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا، اور پہلے ہی دن حضورؐ کو وہ ملیدہ کھلایا جو نکاح کے دن اپنے ہاتھ سے پکایا تھا،

حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب بنت جحش رضؓ سے ہوا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن ہیں، ان کا پہلا نکاح حضورؐ نے اپنے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ سے کیا تھا، اُن کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے خود ان کا نکاح حضورؐ سے کر دیا، جس کا قصّہ سورۂ احزاب میں بھی ہے، اس وقت اُن کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی، مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے، مگر صحیح ۵ھ ہی ہے اور اس حساب سے نبوّت سے گویا سترہ سال قبل اُن کی پیدائش ہوئی، اُن کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہٗ نے کیا، حضرت زید رضؓ نے جب اُنکو طلاق دی اور عدت پوری ہو گئی تو حضورؐ نے اُن کے پاس پیام بھیجا، انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ

میں اُس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں، اور یہ کہکر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی، اور یہ دعا کی کہ یا اللہ تیرے رسول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اگر میں انکے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرمادے۔ اُدھر حضورؐ پر قرآن شریف کی آیت فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا نازل ہوئی تو حضورؐ نے خوش خبری بھیجی، حضرت زینبؓ خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا، بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی، ایک ایک جماعت کو بُلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہو جاتی تھی تو دوسری جماعت اسی طرح بُلائی جاتی حتیٰ کہ سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا، حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں، اور بڑی محنتی، اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا صدقہ کر دیتیں، اُنہی کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لانبا ہوگا، بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں اس لئے لکڑی لیکر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے، دیکھنے میں حضرت سودہؓ کا ہاتھ سب سے لانبا ملا، مگر جب حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی، روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں، ۲۰ھ میں انتقال فرمایا، حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، پچاس برس کی عمر تھی، ان کا قصہ اسی باب کے نمبر ۱۰ پر بھی گزرا ہے،

حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ان کے بعد آپؐ کا نکاح حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا، یہ غزوۂ مریسیع میں قید ہو کر آئی تھیں، اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں، حضرت ثابتؓ نے اُن کو نَو اوقیہ سونے پر مکاتب کر دیا، مکاتب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس سے یہ مقرر کر لیا جائے کہ اتنے دام تم اگر دیدو تو تم آزاد ہو، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنہ کا، اس حساب سے نو اوقیہ کی قیمت (۷۸ ۱۲/۱) ہوئی، اور چار آنہ کا اگر درہم ہو تو (۹۰) روپے ہوئی، یہ حضورؐ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی قوم کے

سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی، آپ کو معلوم ہو، اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے، آپؐ کی امید پر آئی ہوں، حضورؐ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کرکے آزاد کرادوں اور تجھ سے نکاح کرلوں، اُن کیلئے اس سے بہتر کیا تھا، بخوشی منظور کرلیا اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے نکاح ہوگیا، صحابہؓ نے جب سُنا کہ بنو المصطلق حضورؐ کی سسرال بن گئی، تو انھوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کردیے، کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہؓ کی وجہ سے سَو گھرانے آزاد ہوئے جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے اس قسم کی مصلحتیں حضورؐ نے ان سب نکاحوں میں تھیں، حضرت جویریہؓ نہایت حسین تھیں، چہرہ پر ملاحت تھی، کہتے ہیں جو نگاہ پڑجاتی تھی اُٹھتی نہ تھی، حضرت جویریہؓ نے اُس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آگیا، کہتے ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی امید بندھی، اُس وقت انکی عمر بیس سال کی تھی، اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا، اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے،

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ ابو سفیان کی صاحبزادی ان کے نام میں اختلاف ہے، اکثروں نے رملہ اور بعضوں نے ہند بتایا ہے، ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا، دونوں میاں بیوی مسلمان ہوگئے تھے، کفار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا، اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی، وہاں جاکر خاوند نصرانی ہوگیا، یہ اسلام پر باقی رہیں، انھوں نے اسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بُری شکل میں دیکھا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہوگیا ہے، اس تنہائی میں اس حالت میں اُن پر کیا گزری ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضورؐ کے

نکاح میں آگئیں، حضورؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کردو، چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کیلئے بھیجا، انھوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں، اس کو عطا کردیئے اور پاؤں کے چھلّے، کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں، نجاشی نے نکاح کیا، اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے اور بہت کچھ سامان دیا جو لوگ مجلسِ نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا، اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا، جیساکہ اکثر کا قول ہے یا ۶ھ میں جیساکہ بعض نے کہا ہے صاحبِ تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ اُن کا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچیں، نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامان جہیز وغیرہ دیکر انکو نکاح کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بھیجدیا، بعض کتب تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے باپ نے نکاح کیا، مگر یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ انکے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اس قصّہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، اُن کا ایک قصّہ اسی باب کے نمبر ۹ پر گذر چکا ہے، اُن کے انتقال میں بہت اختلاف ہے، اکثر نے ۴۴ھ میں بتایا ہے، اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں،

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضؓ حیی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اوّل سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی کے بعد دحیہ کلبی رضؓ ایک صحابی تھے، انھوں نے حضورؐ سے ایک باندی مانگی، حضورؐ نے ان کو مرحمت فرمادیا، چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں، اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی، صفیہ کو اگر حضورؐ اپنے نکاح میں لےلیں تو بہت سے لوگوں کی دلداری ہے اس لئے حضورؐ نے دحیہ کو خاطر خواہ عوض دیکر اُنکو لے لیا، اور ان کو آزاد فرماکر نکاح کرلیا، اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر انکی رخصتی ہوئی،

صبح کو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو چیز کھانے کی ہو وہ لے آئے، صحابہؓ کے پاس متفرق چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے، ایک چمڑے کا دستر خوان بچھادیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھالیا، یہی ولیمہ تھا، بعض روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ نے انکو اختیار دیدیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو کر چلی جاؤ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شرک کی حالت میں حضورؐ کی تمنا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جاسکتی ہوں، اس سے مراد غالباً اُن کا وہ خواب ہی جو انھوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا، کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہی، اس خواب کو انھوں نے اپنے خاوند کنانہ سے کہا، اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا، اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے، ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب اُن کے سینہ پر ہی، خاوند سے اس کا بھی ذکر کیا، اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے، ایک مرتبہ انھوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہی، ممکن ہی کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو،

رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کیموافق انتقال ہوا، اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی، خود کہتی ہیں کہ میں جب حضورؐ کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی،

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ حارث بن حزن کی بیٹی تھیں، ان کا اصل نام برّہ تھا، حضورؐ نے بدل کر میمونہ رکھا، پہلے سے ابورحم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں، اکثر مؤرخین کا یہی قول ہے، اور بھی بہت سے اقوال انکے پہلے خاوند کے نام میں ہیں بعض نے لکھا ہی کہ حضورؐ سے بھی دو نکاح ہوئے تھے، بیوہ ہو جانے کے بعد ذیقعدہ ۷ھ میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لیجا رہی تھے موضع سرف میں نکاح ہوا، حضورؐ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہو جائے، مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی، اس لئے واپسی میں سرف ہی

میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا، اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے، اُس وقت اُنکی عمر اکیاسی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی، یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے، کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی، اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی،

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میمونہؓ ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنیوالی تھیں، یزید بن اصمؓ کہتے ہیں کہ اُن کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا، یا گھر کا کام، اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں، جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مورخین کا اتفاق ہے اُن میں حضرت میمونہؓ کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے، ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے، جس کی وجہ سے اُن نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے، جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا،

اِن گیارہ بیبیوں میں سے دو کا وصال حضورؐ کے سامنے ہو چکا تھا، حضرت خدیجہؓ کا، اور حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ کا، باقی نو بیبیاں حضورؐ کے وصال کیوقت موجود تھیں، انکے علاوہ اور بھی بعض نکاح بعض محدثین اور مؤرخین نے لکھے ہیں جن کے ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے اُنہی بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے،

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپکے چار لڑکیاں ہوئیں، اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ اُن میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں پھر حضرت رقیہؓ، پھر حضرت اُم کلثومؓ پھر حضرت سیدہ فاطمہؓ، لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے، اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا، صحابہ جیسے جاں نثار بھی اُس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی، اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسمؓ، حضرت عبد اللہؓ، حضرت ابراہیمؓ ہوئے، بعضوں

نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیبؓ اور پانچویں حضرت طاہرؓ تھے، اس طرح پانچ ہوئے۔
بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادہ کے نام ہیں اس طرح چار ہوئے،
اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہؓ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا اس طرح تین ہی لڑکے ہوئے
اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے مطیب اور مطہرؓ اور لکھا ہے کہ طیب اور مطیب ایک
ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر اور مطہر ایک ساتھ پیدا ہوئے اس طرح سات لڑکے ہوئے لیکن
اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے، اور حضورؐ کی ساری اولاد حضرت ابراہیمؓ کے سوا
حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئی۔

حضرت قاسمؓ لڑکوں میں حضرت قاسمؓ سب سے پہلے پیدا ہوئے، لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت
زینبؓ ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی، حضرت قاسمؓ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا، دو سال کی
عمر اکثر نے لکھی ہے، اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے،

حضرت عبداللہؓ دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی
وجہ سے اُن کا نام طیب اور طاہر بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا، ان کے انتقال پر
اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت قاسمؓ کے انتقال پر کفار بہت خوش ہوئے کہ آپ کی نسل
منقطع ہو گئی جس پر سورۂ اِنَّآ اَعْطَيْنَا نازل ہوئی، اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب
نسل ختم ہو گئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا، یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے
تیرہ سو برس بعد تک بھی حضورؐ کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں،

حضرت ابراہیمؓ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ تھے، جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ
میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے، یہ حضورؐ کی باندی حضرت ماریہؓ کے پیٹ
سے پیدا ہوئے، اور حضورؐ کی سب سے آخری اولاد ہیں، حضورؐ نے ساتویں دن اُن کا عقیقہ کیا
اور دو مینڈھے ذبح کئے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا
ابو ہند بیاضیؓ نے سر کے بال اُتارے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت
ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا ہے، اور سولہ۱۶ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادے نے بھی
۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں انتقال فرمایا، بعضوں نے اٹھارہ مہینہ کی بتلائی ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ابراہیمؓ کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز ہوگی،

حضرت زینب رضی اللہ عنہا صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں، اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پانچ برس بعد جبکہ آپ کی عمر شریف تیس ۳۰ برس کی تھی پیدا ہوئیں، اور اپنے والدین کی آغوش میں جوان ہوئیں مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے نکاح ہوا، غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی جسمیں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں جن کا قصہ اسی باب کے نمبر ۲ پر گذر چکا ہے، اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا، یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا، انکے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، اور انہی کے نکاح میں رہیں، ان سے ۲ دو بچے ہوئے، ایک لڑکا ایک لڑکی، لڑکے کا نام حضرت علیؓ تھا جنھوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضورؐ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا، فتح مکہ میں حضورؐ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علیؓ تھے، لڑکی کا نام حضرت امامہؓ تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ حضورؐ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں، یہ حضورؐ کے بعد تک زندہ رہیں، حضرت فاطمہؓ کے وصال کے بعد جو اُن کی خالہ تھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح کیا اور اُن کے وصال کے بعد مغیرہ بن نوفل سے نکاح ہوا، حضرت علیؓ کے کوئی اولاد اُن سے نہیں ہوئی، البتہ مغیرہ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے، کہتے ہیں حضرت فاطمہؓ نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ کا نکاح بھانجی سے کر دیا جائے ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا،

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں، جو اپنی بہن حضرت زینبؓ سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جبکہ حضورؐ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ برس کی تھی، اور بعضوں نے حضرت رقیہؓ کو حضرت زینبؓ سے بڑا بتایا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینبؓ سے چھوٹی تھیں،

حضورؐ کے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا، جب سورۂ تبت نازل

ہوئی تو ابو لہب نے ان سے اور انکے دوسرے بھائی عتیبہ سے جن کے نکاح میں حضورؐ کی تیسری صاحبزادی حضرت امّ کلثومؓ تھیں، یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہی، اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دیدو، اس پر دونوں نے طلاق دیدی، یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی، اس کے بعد فتحِ مکّہ پر حضرت رقیہؓ کے خاوند عتبہ مسلمان ہو گئے تھے، مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے، اور حضرت رقیہؓ کا حضرت عثمانؓ سے عرصہ ہوا نکاح ہو چکا تھا حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی، جس کا بیان پہلے باب نمبر ۱ پر گذر چکا ہی، اس کے بعد حضورؐ نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونیوالا ہی اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی، تو صحابہؓ نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کر دی، اسی سلسلہ میں حضورؐ سے پہلے ہی دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے تھے، حضورؐ کی ہجرت کے بعد جب حضورؐ بدر کی لڑائی میں تشریف لیجانے لگے تو حضرت رقیہؓ بیمار تھیں، اسی لئے حضورؐ حضرت عثمانؓ کو انکی تیمارداری کیواسطے مدینہ چھوڑ گئے، بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچی جب یہ حضرات رقیہؓ کو دفن کر کے آرہے تھے، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انکے دفن میں شرکت نہ فرما سکے، حضرت رقیہؓ کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہو سکی تو اولاد کا کیا ذکر، البتہ حضرت عثمانؓ سے ایک صاحبزادے جن کا نام عبداللہ تھا حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے، اور چھ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا، اور بعض نے لکھا ہی کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا، ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہؓ سے نہیں ہوئی،

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ تھیں، اس میں اختلاف ہی کہ ان میں اور حضرت فاطمہؓ میں سے کونسی بڑی تھیں، اکثر کی رائے یہ ہی کہ اُمّ کلثومؓ بڑی تھیں، اوّل عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ تبّت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی،

جیسا کہ حضرت رقیہ رضؓ کے بیان میں گزرا، لیکن اُنکے خاوند بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ گذر چکا، اور انکے خاوند عتبہ نے طلاق دی اور حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں آکر بہت گستاخی بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے، حضورؐ نے بددعا دی کہ اللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتّا اس پر مسلّط فرما، ابوطالب اُس وقت موجود تھے، باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم گئے، اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی نہیں، چنانچہ عتبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا، اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ مجھے محمدؐ کی بددعا کا فکر ہے، قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں، ایک منزل پر پہنچے وہاں شیر زیادہ تھے، رات کو قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عتبہ کو سلایا، اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے، رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اس کے بعد ایک زقند لگائی اور ٹیلہ پر پہنچ کر عتبہ کا سر بدن سے جدا کر دیا، اس نے ایک آواز دی مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا، اور یہ قصّہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا،

بہرحال حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت اُمّ کلثوم رضؓ کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا، اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے، خود اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ جو میرے کسی ولی کو ستائے اس کو میری طرف سے لڑائی کا اعلان ہے" حضرت رقیہ رضؓ کے انتقال کے بعد ربیع الاوّل ۳ھ میں حضرت اُمِ کلثوم رضؓ کا نکاح بھی حضرت عثمان رضؓ سے ہوا، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں نے اُمّ کلثوم کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے عثمان سے کیا، بعض روایات میں حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت اُمّ کلثوم رضؓ دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا، پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی، اولاد کوئی حضرت عثمان رضؓ سے بھی نہیں ہوئی، اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا، حضورؐ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد نکاح عثمان رضؓ سے کرتا،

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضورؐ کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں، نبوّت کے ایک سال بعد جبکہ حضورؐ کی عمر شریف اکتالیس ۴۱ برس کی تھی، پیدا ہوئیں، اور بعض نے نبوّت سے پانچ سال پہلے پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں لکھا ہے، کہتے ہیں کہ ان کا نام فاطمہ الہام یا وحی سے رکھا گیا، فطم کے معنی روکنے کے ہیں، یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں، ۲ھ محرّم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نکاح ہوا، اور نکاح سے سات ماہ اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی، یہ نکاح بھی اللہ جل شانہٗ کے حکم سے ہوا، کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپکی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی، اس سے بھی ۱ھ کی پیدائش کی تائید ہوتی ہے، اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس ۲۱ سال پانچ ماہ یا چوبیس ۲۴ سال ڈیڑھ ماہ کی تھی، حضورؐ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبّت تھی، جب حضورؐ سفر کو تشریف لیجاتے تو سب سے اخیر میں ان سے رُخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے اُن کے پاس تشریف لیجاتے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ابوجہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو اُن کو رنج ہوا، حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو رنج پہنچایا اس نے مجھے رنج پہنچایا، اسی لئے حضرت علیؓ نے اُن کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا، آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہؓ سے نکاح کیا، جس کا ذکر حضرت زینبؓ کے بیان میں گذرا،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی پانی رکھ دو، غسل فرمایا نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا کہ میرا بستر گھر کے بیچ میں کر دو، اس پر تشریف لیگئیں، اور قبلہ رُخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا، اور فرمایا کہ بس اب میں مرتی ہوں، یہ فرما کر وصال فرمایا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ انہی سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہیگا، اُن کی چھ اولاد تین لڑکے تین لڑکیاں ہوئیں، سب سے اوّل حضرت حسنؓ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، پھر حضرت حسینؓ تیسرے سال میں یعنی

سن ۴ھ میں، پھر حضرت محسنؓ (یہ سین کی تشدید کیساتھ ہے) پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا، صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے اُن کو لکھا بھی نہیں، دوسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثومؓ کا پہلا نکاح حضرت عمرؓ امیر المومنین سے ہوا جن سے ایک صاحبزادہ زیدؓ اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں، حضرت عمرؓ کے وصال کے بعد اُمِّ کلثومؓ کا نکاح عون بن جعفرؓ سے ہوا اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اُن کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفرؓ سے ہوا اُن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئی، ان کے انتقال کے بعد اُنکے تیسرے بھائی عبد اللہ بن جعفرؓ سے ہوا، ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور انہی کے نکاح میں حضرت اُمِّ کلثومؓ کا انتقال ہوا اور اسی دن اُن کے صاحبزادے زیدؓ کا بھی انتقال ہوا، دونوں جنازے ساتھ ہی اُٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا، یہ تینوں بھائی وہی عبد اللہ اور عون اور محمد ہیں جن کا قصّہ چھٹے باب کے نمبر ۱ پر گزرا ہی، یہ حضرت علیؓ کے بھتیجے اور جعفر طیارؓ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہؓ کی تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں، جن کا نکاح عبد اللہ بن جعفرؓ سے ہوا، اور ۲ دو صاحبزادے عبد اللہ اور عونؓ پیدا ہوئے اور اُن کے ہی نکاح میں انتقال فرمایا، انکے انتقال کے بعد عبد اللہ بن جعفرؓ کا نکاح اُنکی ہمشیرہ حضرت اُمِّ کلثومؓ سے ہوا تھا یہ اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے، ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیبیوں سے جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے، مؤرخین نے حضرت علیؓ کی تمام اولاد بتیس ۳۲ لکھی ہے جن میں ۱۶ سولہ لڑکے سولہ لڑکیاں، اور حضرت امام حسنؓ کے ۱۵ پندرہ لڑکے ۸ آٹھ لڑکیاں اور حضرت امام حسینؓ کے چھ لڑکے ۳ تین لڑکیاں، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وَاَرْضَاھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَجَعَلَنَا بِھِمْ مُتَّبِعِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ،

(ملخص من الخمیس والزرقانی علی المواہب والتلقیح والاصابۃ واسد الغابۃ)

گیارہواں باب ۱۱

بچوں کا دینی جذبہ

کم سن اور نو عمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ تھا، اگر ماں باپ اور دوسرے اولیاء، اولاد کو شفقت میں کھو دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے انکی دینی حالت کی خبر گیری اور اس پر تنبیہ رکھیں تو دین کے امور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جاکر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہ عادت کے ہو جائیں، لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچہ کی ہر بُری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ زیادہ محبت کا جوش ہوتا ہی تو اس پر خوش ہوتے ہیں، اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جائے گا، حالانکہ بڑے ہو کر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جاتا ہے، آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ مشکل ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنیوالا ہو تو بچپن ہی سے اُس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی، اور روزہ سے نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس ہو ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں (بخاری) یعنی تو اتنا بڑا ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتا، اس کے بعد اس کے اسّی کوڑے شراب کی سزا میں مارے، اور مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملک شام کو چلتا کر دیا،

بچوں کا روزہ رکھوانا

(۱) ربیع بنت معوذؓ جن کا قصہ پہلے باب کے اخیر میں گذرا ہے، کہتی ہیں کہ حضورﷺ نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے سب کے سب روزہ

رکھیں ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح انکو کھیل میں لگائے رکھتے تھے (بخاری)

فائدہ، بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں اگرچہ اس وقت قویٰ نہایت قوی تھے، اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اسکے متحمل تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے، تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے مگر اب جس کا تحمل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے،

حضرت عائشہؓ کی احادیث اور آیت کا نزول

(۲) حضرت عائشہؓ چھ سال کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا اور نویں سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی، اٹھارہ سال کی عمر میں حضورؐ کا وصال ہوا، اٹھارہ ۱۸ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور افعال ان سے نقل کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں، مسروقؒ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کو میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، عطاءؒ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں،

ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی حضرت عائشہؓ کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی (اصابہ) دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ حدیثیں کتب حدیث میں انکی ملتی ہیں (تلقیح) خود فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ قمر کی آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ نازل ہوئی (بخاری) مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہؓ رہی ہیں، اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا دین کیساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہوسکتا ہے، ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے،

عمیر کا جہاد کی شرکت کا شوق

(۳) عمیر آبی اللحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر بڑے چھوٹے کی جان تھا، خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش

کی اُنکے سرداروں نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرمادی جاوے، چنانچہ حضورؐ نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی جو گلے میں لٹکالی مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا اس لئے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی، اس لئے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصہ میں آیا (ابوداؤد)

فائدہ: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں، اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسولؐ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے،

عمیر کا بدر کی لڑائی میں چھپنا

(۴) عمیر بن ابی وقاص رضؓ ایک نو عمر صحابی ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہوگئے تھے، سعد بن ابی وقاص رضؓ مشہور صحابی کے بھائی ہیں، سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عُمیر کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں، مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا ہوا چھپتے کیوں پھر رہے ہو، کہنے لگے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہ دیکھ لیں، اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کردیں کہ پھر نہ جاسکوں گا اور مجھے تمنا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں کیا بعید ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں، آخر جب لشکر پیش ہوا تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرمادیا اور جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا، مگر شوق کا غلبہ تھا تحمل نہ کرسکے اور رونے لگے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شوق اور رونے کا حال معلوم ہوا تو اجازت عطا فرمادی، لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے، اُن کے بھائی سعد رضؓ کہتے ہیں کہ اُن کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں باندھتا تھا تاکہ اونچی ہوجاوے (اصابہ)

دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا

(۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی کے میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے، میرے دونوں جانب بچے ہیں یہ کیا مدد کر سکیں گے، اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ چچا جان تم ابوجہل کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں پہچانتا ہوں، تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے، اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جُدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں، مجھے اس کے اس سوال پر اور جواب پر تعجب ہوا اتنے میں دوسرے نے بھی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اس نے بھی کہا، اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا، میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارے میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے وہ جا رہا ہے، دونوں یہ سُنکر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دَم بھاگے چلے گئے، اور جا کر اُس پر تلوار چلانی شروع کر دی، یہاں تک کہ اس کو گرا دیا (بخاری)

فائدہ: یہ دونوں صاحبزادے معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء ہیں، معاذ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے، مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا، یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا، صفوں کو درست کر رہا تھا، جس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے تو گھوڑے سوار پر براہِ راست حملہ مشکل تھا اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا، جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا، اور اٹھ نہ سکا، دونوں حضرات اس کو ایسا کر کے چھوڑ آئے تھے کہ اُٹھ نہ سکے، وہیں پڑا تڑپتا رہے، مگر معوذ بن عفراء

اُن کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کردیا کہ مبادا اُٹھ کر چلا جائے، لیکن بالکل انھوں نے بھی نہ نمٹایا، اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے بالکل ہی سر جدا کردیا، معاذ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا، اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا (اسد الغابۃ) میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا، اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دقت ہوئی تو میں نے اُس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی، جس سے وہ اٹک رہا تھا، اور میں نے اس کو پھینک دیا (خمیس)

رافع اور جندب کا مقابلہ (۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لئے تشریف لیجاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرماتے اُنکے احوال کو انکی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے، کم عمر بچوں کو واپس فرمادیتے، یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے، چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لئے جب تشریف لیجانا ہوا تو ایک موقع پر جاکر لشکر کا معائنہ فرمایا، اور نو عمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرمادیا جن میں حضرات ذیل بھی تھے، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ، زید بن ارقمؓ، براء بن عازبؓ، عمرو بن حزمؓ، اسید بن ظہیرؓ، عرابہ بن اوسؓ، ابوسعید خدریؓ، سمرہ بن جندبؓ، رافع بن خدیجؓ، کہ انکی عمریں تقریباً تیرہ چودہ برس کی تھیں، جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیجؓ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے، اور خود رافعؓ بھی اجازت کے اشتیاق میں اُبھر اُبھر کر کھڑے ہوتے تھے، کہ قد لانبا معلوم ہو، حضورؐ نے اجازت عطا فرمادی، تو سمرہ بن جندبؓ نے اپنے سوتیلے باپ مرۃ بن سنان سے کہا کہ حضورؐ نے رافع کو تو اجازت مرحمت فرمادی، اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا حضورؐ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہؓ نے رافعؓ کو واقعی پچھاڑ لیا، اس لئے

حضورؐ نے سمرہ کو بھی اجازت عطا فرمادی" اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی، اور اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی، اسی سلسلہ میں رات ہوگئی، حضورؐ نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کریگا، ایک صاحب اُٹھے حضورؐ نے فرمایا تمھارا کیا نام ہی، انھوں نے کہا ذکوان، حضورؐ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ، پھر فرمایا ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اُٹھے حضورؐ نے نام دریافت کیا عرض کیا ابوسبع (سبع کا باپ) حضورؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کریگا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا انھوں نے عرض کیا ابن عبدالقیس (عبد قیس کا بیٹا) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ، اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آجاؤ تو ایک صاحب حاضر ہوئے، حضورؐ نے فرمایا کہ تمھارے دونوں ساتھی کہاں گئے؟ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا، حضورؐ نے دعا دی اور حفاظت کا حکم فرمایا، رات بھر یہ حضورؐ کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے (خمیس)

فائدہ: یہ شوق اور ولولے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا اسی وجہ سے کامیابی اُن کے قدم چومتی تھی رافع بن خدیج رضؓ نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا، مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی، پھر اُحد میں پیش کیا جس کا قصہ ابھی گذرا، اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے، اُحد کی لڑائی میں سینہ میں ایک تیر لگا، جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا مگر بھال کا حصہ اندر بدن میں رہ گیا جس نے زخم کی صورت اختیار کی، اور اخیر زمانہ میں بڑھاپے کے قریب یہی زخم ہرا ہو کر موت کا سبب بنا، (اسدالغابہ)

حضرت زیدؓ کا قرآن کی وجہ سے تقدم

(۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی، اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے، بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی، پھر اُحد کی لڑائی میں نکلے مگر واپس کر دیئے گئے،

جیسا کہ ابھی معلوم ہوا، بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ سمرۃ اور جندب دونوں کو اجازت ہو چکی تھی جیسا کہ اس سے پہلے قصّہ میں گذرا، اس لئے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی، اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے، تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عمارہؓ کے ہاتھ میں تھا، حضورؐ نے عمارہؓ سے لیکر حضرت زیدؓ کو دیدیا، عمارہؓ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہ ناراضی پیش آئی، دریافت کیا یا رسول اللہؐ میری کوئی شکایت حضورؐ تک پہنچی ہے؟ ارشاد فرمایا یہ بات نہیں بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا (اسد الغابہ)

فائدہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح فرماتے تھے، یہاں اگرچہ لڑائی کا موقع تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اٹھانے میں اُن کو مقدّم فرمایا، اکثر چیزوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا لحاظ فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی، تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا اس کو مقدّم فرماتے، جیسا کہ غزوۂ اُحد میں کیا:

حضرت ابو سعید خدریؓ کے باپ کا انتقال،

(۸) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں اُحد کی لڑائی میں پیش کیا گیا، تیرہ سال کی میری عمر تھی، حضورؐ نے قبول نہیں فرمایا، میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قوی اچھے ہیں، ہڈیاں بھی موٹی ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ میری طرف کو اوپر اٹھاتے تھے پھر نیچے کر لیتے تھے، بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی، میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے، اور شہید ہو گئے، کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا، میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، حضورؐ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں، اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پاکباز

بنادیتے ہیں، اور جو غنا چاہتا ہے اس کو غنا عطا فرماتے ہیں، میں نے یہ مضمون حضورؐ سے سُنا پھر کچھ نہ مانگا، چپکے ہی واپس ہوگیا، اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کو وہ رُتبہ عطا فرمایا کہ نوعمر صحابہ میں اس بڑے درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا (اصابہ، استیعاب)

فائدہ، بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت، لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک عام نصیحت کو سُنکر چپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا کیا آجکل کوئی بڑی عمر والا بھی کرسکتا ہے، سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسولؐ کی مصاحبت کے لئے ایسے ہی لوگ چُنے تھے، جو اس کے اہل تھے، اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہی جو خاتمہ میں آتا ہی کہ اللہ نے سارے آدمیوں میں سے میرے صحابہؓ کو چُنا ہے،

سلمہ ابن اکوعؓ کی غابہ پر دوڑ ⑨ غابہ مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی، وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے، کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمن فزاری نے اُن کو لُوٹ لیا، جو صاحب چراتے تھے انکو قتل کردیا، اور اونٹوں کو لیکر چل دیئے، یہ لُٹیرے لوگ گھوڑوں پر سوار تھے، اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے، اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوعؓ صبح کے وقت پیدل تیر کمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہی تھے کہ اچانک اُن لٹیروں پر نگاہ پڑی، بچے تھے دوڑتے بہت تھے کہتے ہیں کہ اُن کی دَوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی، یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو پکڑ نہیں سکتا تھا، اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی مشہور تھے حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے مدینہ منورہ کی طرف مُنہ کرکے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لُوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی، اُن لُٹیروں کے پیچھے دَوڑ لئے، حتیٰ کہ اُن کے پاس تک پہنچ گئے، اور تیر مارنے شروع کئے، اور اس پھُرتی سے دَمادم تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا مجمع سمجھے اور چونکہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے، اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھُپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا، کہ گھوڑا گر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ جتنے اونٹ

انھوں نے حضورؐ کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہوگئے، اور اس کے علاوہ تیس۳۰ برچھے اور تیس۳۰ چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے، اتنے میں عیینہ بن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر اُن کے پاس پہونچ گئی، اور اُن لٹیروں کو قوت حاصل ہوگئی، یہ بھی اُن لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ میں اکیلا ہوں، انھوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا، میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ بھی چڑھ گئے، جب میرے قریب ہوگئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، پہلے میری ایک بات سنو، تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں، انھوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں، اُس پاک ذات کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا، اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا، ان کے متعلق چونکہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا،

سلمہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح اُن سے بات چیت کرتا رہا، اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہونچ گئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا، غرض اُن سے اسی طرح میں بات کرتا رہا، اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا تھا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی، ان میں سب سے آگے اخرم اسدی رضؓ تھے، انھوں نے آتے ہی عبدالرحمن فزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمن بھی اُن پر متوجہ ہوا، انھوں نے عبدالرحمن کے گھوڑے پر حملہ کیا، اور پاؤں کاٹ دیئے، جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمن نے گرتے ہوئے اُن پر حملہ کر دیا، جس سے وہ شہید ہوگئے اور عبدالرحمن فوراً اُن کے گھوڑے پر سوار ہوگیا، اُن کے پیچھے ابو قتادہ رضؓ تھے، فوراً انھوں نے حملہ شروع کر دیا، عبدالرحمن نے ابو قتادہ رضؓ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا، جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انھوں نے عبدالرحمن پر حملہ کیا جس سے وہ قتل ہوگیا، اور ابو قتادہ رضؓ فوراً اس گھوڑے پر جو اخرم اسدی رضؓ کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمن سوار ہو رہا تھا،

سوار ہو گئے (ابوداؤد)

فائدہ: بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمہؓ نے اخرمِ اسدیؓ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھیر جاؤ اپنا مجمع اور آنے دو، مگر انھوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کفار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے، اس کے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہونچ گیا، اور وہ لوگ بھاگ گئے، تو حضرت سلمہؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے ساتھ سو آدمی کر دیں میں اُن کا پیچھا کروں، مگر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اپنی جماعتوں میں پہنچ گئے، اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہؓ کی عمر اُس وقت بارہ یا تیرہ برس کی تھی، بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑ سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں، جو لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں یہ اسی اخلاص کی برکت تھی جو اللہ جل شانہٗ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا،

(۱۰) بدر کا مقابلہ اور براءؓ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مہتم بالشان لڑائی ہے، اس لئے کہ اس میں مقابلہ نہایت سخت تھا، مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل کُل تین سو پندرہ (۳۱۵) تھے، جن کے پاس صرف تین (۳) گھوڑے چھ یا نو (۹) زرہیں، اور آٹھ تلواریں تھیں اور ستر اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور کفار کی جماعت ایک ہزار کے قریب تھی، جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا، اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے،

اِدھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت متفکر کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے، جب حضورؐ نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعاء مانگی، یا اللہ یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں تو ہی اُن کو سواری دینے والا ہے، یہ ننگے بدن ہیں تو ہی اُن کو کپڑا پہنانے والا ہے، یہ بھوکے ہیں، تو ہی اُن کا پیٹ بھرنے والا ہے، یہ فقیر ہیں تو ہی اُن کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دُعاء قبول ہوئی، ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور

حضرت براء بن عازبؓ دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ہونے کی وجہ سے رستہ میں سے لوٹا دیا (خمیس) یہ دونوں حضرات اُحد کی لڑائی میں سے بھی واپس کئے گئے تھے جیساکہ پہلے قصہ میں گذر چکا ہے اُحد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی جب اُس میں بھی یہ بچوں میں شمار کئے گئے تو بدر میں بطریقِ اَولیٰ بچہ تھے، مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے یہ ولولہ اور شوق دل میں جوش مارتا تھا، اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے،

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کا اپنے باپ سے مقابلہ،

(۱۱) ۵ھ میں بنو المصطلق کی مشہور جنگ ہوئی اس میں ایک مہاجری اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہو گئی، معمولی بات تھی مگر بڑھ گئی، ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہو گئیں، اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ گرم ہو جائے کہ درمیان میں بعض لوگوں نے پڑکر صلح کرادی، عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا، مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا اس لئے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا، اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا، اس کو جب اس قصہ کی خبر ہوئی تو اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے، اور اپنے دوستوں سے خطاب کرکے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا، اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو اب بھی سب چلے جاویں، اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم ہم لوگ اگر مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے، حضرت زید بن ارقمؓ نوعمر بچے تھے، وہاں موجود تھے، یہ سُن کر تاب نہ لاسکے، کہنے لگے کہ خدا کی قسم تو ذلیل ہی تو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں، رحمٰن کی طرف

سے بھی عزت دیئے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں، عبداللہ بن اُبَی نے کہا کہ اچھا چُپکارہ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا، مگر حضرت زیدؓ نے جا کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر دیا، حضرت عمرؓ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اُڑا دی جائے مگر حضورؐ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی، عبداللہ بن اُبَی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضورؐ تک یہ قصّہ پہنچ گیا ہے تو حاضرِ خدمت ہو کر جھُوٹی قسمیں کھانے لگا، کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زیدؓ نے جھُوٹ نقل کر دیا، انصار کے بھی کچھ لوگ حاضرِ خدمت تھے، انھوں نے بھی سفارش کی کہ یا رسول اللہؐ عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے، ایک بچّہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں، ممکن ہے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں، حضورؐ نے اس کا عذر قبول فرما لیا،

حضرت زیدؓ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھُوٹی قسموں سے اپنے کو سچّا ثابت کر دیا اور زیدؓ کو جھٹلا دیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا، حضورؐ کی مجلس میں بھی ندامت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زیدؓ کی سچائی اور عبداللہ بن اُبَی کی جھُوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا، حضرت زیدؓ کی وقعت موافق مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی، اور عبداللہ بن اُبَی کا قصّہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا، جب مدینہ منوّرہ قریب آیا تو عبداللہ بن اُبَی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہؓ تھا اور بڑے پکّے مسلمانوں میں تھے مدینہ منوّرہ سے باہر تلوار کھینچکر کھڑے ہو گئے، اور باپ سے کہنے لگے کہ اُس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دونگا جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں، اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے مگر حضورؐ کے مقابلہ میں تحمّل نہ کر سکے، آخر اس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا (خمیس)

(۱۲) حضرت جابرؓ کی حمراء الاسد میں شرکت

اُحد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیبہ

پہنچے، سفر اور لڑائی کا تکان خوب تھا، مگر مدینہ منورہ پہنچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان نے لڑائی سے واپسی پر حمراء الاسد (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور رائے قائم کی کہ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی، ایسے موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آسکے یا نہ آسکے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کر کے لَوٹنا چاہیے تھا، اس ارادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ اُحد میں ساتھ تھے وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کیلئے چلنا چاہیے، اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود سب کے سب تیار ہو گئے، چونکہ حضورؐ نے اعلان فرما دیا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو اُحد میں ساتھ تھے، اس لئے حضرت جابرؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ میری تمنا اُحد میں بھی شرکت کی تھی مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میری سات بہنیں ہیں، کوئی مرد اور ہے نہیں، انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ فرما چکے تھے، اس لئے مجھے اجازت نہ دی تھی، اُحد کی لڑائی میں اُنکی شہادت ہو گئی، اب حضورؐ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں بھی ہمرکاب چلوں، حضورؐ نے اجازت عطا فرما دی، ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نہیں گیا جو اُحد میں شریک نہ ہو (خمیس)

فائدہ: حضرت جابرؓ کا اس شوق و تمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابلِ رشک ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے، قرضہ بھی باپ کے ذمّہ بہت سا ہے، وہ بھی یہود کا جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کر رہے تھے اس سب کے علاوہ بہنوں کے گذران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں جن کی وجہ سے اُن کو اُحد کی لڑائی میں شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی، لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے،

حضرت ابن زبیرؓ کی بہادری روم کی لڑائی میں

(۱۳) حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عمرو بن عاصؓ کی بجائے جب

عبداللہ بن اَبی سرحؓ حاکم بنائے گئے تو وہ رُوم کی لڑائی کیواسطے بیس ہزار کے مجمع کے ساتھ نکلے، رُومیوں کا لشکر دو لاکھ کے قریب تھا، بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی، رومیوں کے امیر جرجیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سرحؓ کو قتل کر دیگا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں گا، اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دونگا اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوا انھوں نے کہا یہ فکر کی بات نہیں ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جرجیر کو قتل کریگا اس کی بیٹی سے اس کا نکاح کیا جائیگا اور ایک لاکھ دینار انعام اور مزید یہ کہ اسی کو اُن شہروں کا امیر بھی بنا دیا جائے گا،

الغرض دیر تک مقابلہ ہوتا رہا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیکھا کہ جرجیر سارے لشکر کے پیچھے ہیں، اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے، دو باندیاں مور کے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں، انھوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جاکر حملہ کیا، وہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آرہے ہیں کوئی پیغامِ صلح لے کر آئے ہیں، مگر انھوں نے سیدھے پہنچ کر اس پر حملہ کر دیا، اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اُٹھا کر لے آئے، اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے،

فائدہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نو عمر ہی تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں انہی کی ہے، مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی، اس لئے کہ ایک سال تک کسی مہاجری کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا، تو یہود نے یہ کہدیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے انکے لڑکا نہیں ہوسکتا، حضورؐ کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا، لیکن حضرت ابن زبیرؓ کو سات برس کی عمر میں بیعت فرمالیا تھا اس لڑائی کے وقت انکی عمر چوبیس ۲۴ پچیس ۲۵ سال کی تھی، اس عمر میں دو لاکھ کے مجمع کو پھلانگ کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں،

حضرت عمروؓ بن سلمہ کا کفر کی حالت میں قرآن یاد کرنا

(۱۴) عمرو بن سلمہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستہ میں ایک جگہ رہا کرتے تھے، وہاں کے آنے جانیوالے ہمارے پاس سے گذرتے تھے، جو لوگ مدینہ منوّرہ سے واپس آتے ہم اُن سے حالات پوچھا کرتے

کہ لوگوں کا کیا حال چال ہے جو صاحب نبوّت کا دعویٰ کرتے ہیں اُنکی کیا خبر ہے؟ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے، یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، میں کم عمر بچّہ تھا وہ جو بیان کرتے میں اس کو یاد کر لیا کرتا، اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہو گیا، عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لئے مکہ والوں کا انتظار کر رہی تھے، جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کے لئے حاضرِ خدمت ہوئی، میرے باپ بھی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بنکر حاضرِ خدمت ہوئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی، جماعت کا طریقہ بتایا اور ارشاد فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کیلئے افضل ہے، میں چونکہ آنے والوں سے آیتیں سنکر ہمیشہ یاد کر لیا کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ حافظِ قرآن میں ہی تھا، سب نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ حافظِ قرآن کوئی بھی قوم میں نہ نکلا، تو مجھ ہی کو انھوں نے امام بنایا، میری عمر اس وقت چھ سات برس کی تھی، جب کوئی مجمع ہوتا یا جنازہ کی نماز کی نوبت آتی تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا، (بخاری، ابوداؤد)

فائدہ: یہ دین کی طرف طبعی میلان اور رجحان کا اثر تھا کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا حصّہ بہت سا یاد کر لیا، رہا بچّہ کی امامت کا قصّہ یہ مسئلہ کی بحث ہی، جن کے نزدیک جائز ہے انکے نزدیک تو اشکال نہیں، اور جن کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے انہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، بچّے اس سے مراد نہیں تھے،

حضرت ابن عباسؓ کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا

(۱۵) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام حضرت عکرمہؓ مشہور علماء میں ہیں، کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کے لئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں، وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے (بخاری، ابن سعد)

فائدہ: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جو لوگ پڑھنے کے زمانے میں سیر و سفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں وہ بیکار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں، اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام حضرت عکرمہؒ بن گئے، کہ بحر الامۃ اور حبر الامۃ کے القاب سے یاد کئے جانے لگے، قتادہؒ کہتے ہیں کہ تابعین میں زیادہ عالم چار ہیں جنمیں سے ایک عکرمہؒ ہیں،

حضرت ابن عباسؓ کا بچپن میں حفظِ قرآن

(۱۶) خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو، میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل پڑھ لی تھی (بخاری، فتح)

فائدہ: اس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع تفسیر کے پڑھتے تھے، اسی واسطے حضرت ابنِ عباسؓ تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے، چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل ہیں بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی، عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مفسر ابن عباسؓ ہیں، ابو عبد الرحمنؒ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے وہ کہتے تھے کہ صحابہ حضورؐ سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا (منتخب کنز)

تیرہ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا وہ کھلی کرامت اور قابلِ رشک ہے، کہ امام تفسیر ہیں، اور بڑے بڑے صحابہ تفسیر ان سے دریافت کرتے ہیں، اگرچہ یہ حضورؐ ہی کی دعاء کا ثمرہ تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجے تشریف لے گئے باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا، آپ نے دریافت فرمایا یہ کس نے رکھا ہے، عرض کیا گیا کہ ابن عباسؓ نے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدمت پسند آئی، اور دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں،

اس کے بعد ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھ رہے تھے، یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہوگئے، حضورؐ نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کرلیا، کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہئے، اس کے بعد حضورؐ تو نماز میں مشغول ہوگئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے، حضورؐ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں، آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں، حضورؐ نے علم وفہم کے زیادہ ہونے کی دُعاء دی (اصابہ)

⑰ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا حفظِ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ رضی اللہ عنہ اُن عابد اور زاہد صحابہ میں تھے، کہ روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور دن کو ہمیشہ روزہ دار رہتے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کثیر محنت پر تنبیہ فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہوجائے گا، آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا جائیں گی، بدن کا بھی حق ہے، اہل وعیال کا بھی حق ہے، آنے جانے والوں کا بھی حق ہے، کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم کرتا تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینہ میں ایک قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اپنی قوت اور جوانی سے منتفع ہونے کی اجازت فرما دیجئے، حضورؐ نے فرمایا اچھا بیس روز میں ایک ختم کرلیا کرو، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ بہت کم ہے، مجھے اپنی جوانی اور قوت سے متمتع ہونے کی اجازت دیجئے، غرض اسی طرح عرض کرتا رہا، اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی،

ان کا معمول تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو تحریر کیا کرتے تھے تاکہ یاد رہیں، چنانچہ اُن کے پاس ایک مجموعہ حضورؐ کی احادیث کا لکھا ہوا تھا، جس کا نام انھوں نے صادقہ رکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ سے جو سنتا اس کو لکھ لیا کرتا تاکہ یاد رہے، مجھے لوگوں نے منع کیا کہ حضورؐ بہرحال آدمی ہیں کبھی غصہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں، کبھی خوشی اور مزاح میں کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہر بات

نہ لکھا کرو، میں نے چھوڑ دیا، ایک مرتبہ حضورؐ سے میں نے اس کا ذکر کیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو، اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مُنہ سے غصّہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی (مسند احمد، ابن سعد)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ باوجود اس قدر زاہد و عابد ہونے کے کہ کثرتِ عبادت میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں پھر بھی ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں، بجز عبداللہ بن عمروؓ کے کہ وہ لکھتے تھے میں لکھتا نہیں تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی روایات ابوہریرہؓ کی روایات سے بھی بہت زیادہ ہیں، اگرچہ ہمارے زمانہ میں ابوہریرہؓ کی روایات اُن سے کہیں زیادہ ملتی ہیں، جس کی بہت سی وجوہ ہیں، لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے انکی احادیث موجود تھیں۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا حفظِ قرآن

(۱۸) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اُن جلیل القدر صحابہ میں ہیں جو اپنے زمانہ میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے، بالخصوص فرائض کے ماہر تھے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ، قضاء، فرائض، قراءت میں انکا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت کم عمر بچے تھے، گیارہ برس کی عمر تھی، اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی، ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے، حضورؐ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو جیسے اور لوگ حاضرِ خدمت ہو رہے تھے، اور حصولِ برکت کے واسطے بچوں کو بھی ساتھ لا رہے تھے زیدؓ بھی خدمت میں حاضر کئے گئے، زیدؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلۂ نجّار کا ایک لڑکا ہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے سترہ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں، حضورؐ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا، میں نے سورۂ قٓ حضورؐ کو سُنائی حضورؐ کو میرا پڑھنا پسند آیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے وہ یہود ہی لکھتے تھے، ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خطو

کتابت ہوتی ہے اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں تو یہود کی زبان سیکھ لے، زیدؓ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن میں اُن کی زبان عبرانی میں کامل ہو گیا تھا، اس کے بعد سے جو تحریر اُن کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سُریانی زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں اس لئے مجھ کو سُریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا، میں نے سترہؔ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی (فتح، اصابہ)

حضرت امام حسنؓ کا بچپن میں علمی مشغلہ

(۱۹) سید السادات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہوئی، اس اعتبار سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جا سکتا ہو لیکن اسکے باوجود حدیث کی کئی روایتیں اُن سے نقل کی جاتی ہیں،

ابُوالحوراء ایک شخص ہیں انھوں نے حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ تمھیں حضورؐ کی کوئی بات یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں، میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منھ میں رکھ لی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کخ کخ (ہاہا) فرمایا، اور میرے منہ سے نکال دی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضورؐ سے سمجھی ہیں (مسند احمد)

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء بتائی تھی؛

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ

(ترجمہ) "اے اللہ تو مجھے ہدایت فرما منجملہ ان کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما اُن لوگوں کے ذیل میں جن کو تو نے عافیت بخشی اور تو میرے کاموں کا متولی بن جا جن کا

اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ ،	اور بہت سے لوگوں کا متولی ہو اور جو کچھ تونے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ

تونے مقدر فرمایا ہو اس کی بُرائی سے مجھے بچا کہ تُو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہو، تیرے خلاف کوئی شخص کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا، اور جس کا تو والی ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا، تیری ذات بابرکت ہو اور سب سے بلند ہے "

امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سُنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا، حضرت حسنؓ نے کئی حج پیدل کئے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں، نہایت حلیم مزاج تھے، اور پرہیزگار، مسند احمد میں متعدد روایات اُن سے نقل کی گئی ہیں، اور صاحب تلقیح نے ان صحابہ میں ان کو ذکر کیا ہے جن سے تیرہ ۱۳ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اُس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہی، اور شوق کی انتہا، افسوس ہو کہ ہم لوگ اپنے بچّوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے،

حضرت امام حسینؓ کا بچپن میں علمی مشغلہ

(۲۰) سیدالسادات حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے، اِس لئے اُن کی عمر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی، یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی، چھ برس کا بچّہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے، لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں، اور محدّثین نے اُس جماعت میں اُن کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں،

امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو، پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے تو اس کو اُس وقت

بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کے وقت پہنچا تھا، یہ بھی حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری اُمّت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے، حضرت حسینؓ نے پچیس ۲۵ حج پیدل کئے ہیں، نماز اور روزہ کی بہت کثرت فرماتے تھے، اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا،

ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسینؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کی کوئی بات آپکو یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں، میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں، اس میں سے ایک کھجور میں نے منھ میں رکھ لی، حضورؐ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو ہم کو صدقہ جائز نہیں، حضرت حسینؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو (اسد الغابہ، استیعاب) ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپ سے منقول ہیں،

فائدہ! اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضورؐ سے نقل کئے اور یاد رکھے، محمود بن الربیع ایک صحابی ہیں جن کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے یہاں ایک کنواں تھا اس کے پانی سے ایک کلی میرے منہ پر کی (اصابہ)

ہم لوگ بچّوں کو واہی تباہی فضول باتوں میں لگاتے ہیں، چھوٹے جھوٹے قصے انکو سنا کر لغویات میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اگر اللہ والوں کے قصے تلاش کر کے انکو سنائے جائیں، اور بجائے جن بھوت سے ڈرانے کے اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں، اور اللہ کی ناراضی کی اہمیت اور ہیبت دل میں پیدا کریں تو دنیا میں بھی اُن کے کارآمد ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی، بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوّت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا یاد کیا ہو کبھی بھی نہیں بھولتا، ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے تو نہ کوئی دقّت ہو نہ وقت خرچ ہو، میں نے اپنے

والدصاحب نوراللہ مرقدہٗ سے بھی بارہا سُنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سُنا ہے کہ میرے والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب دودھ چھڑایا گیا ہی تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا، اور اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مخفی فارسی کا بھی معتدبہ حصہ بوستاں، سکندرنامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو، باقی تمام دن چھٹی، میں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا، اور چھ سات گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کرکے دوپہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا، چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید پڑھنا اور پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں، اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ قرآن شریف میں متشابہ لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے، چونکہ ظاہری معاش کتابوں کی تجارت پر تھی، اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں، اور کبھی کبھی اسی کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسے سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے، اسی طرح تین کام ایک وقت میں کر لیا کرتے تھے، مگر ان کا طریقۂ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہیں تھا جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مروّجہ طریقہ ہے کہ سارا بوجھ استاد ہی کے ذمہ رہے، بلکہ مخصوص طلبہ کیساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے ترجمہ کرے مطلب بیان کرے، اگر وہ مطلب صحیح ہوتا تو "آگے چلو" فرما دیتے، اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابلِ تنبیہ ہوتی تو تنبیہ فرماتے، اور قابل بتانے کے ہوتی تو بتا دیتے، یہ پُرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے، اِسی صدی کا واقعہ ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ جیسے قُوٰی اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں ؛



بارہواں باب ۱۲

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ محبت کے واقعات میں

اگرچہ جتنے قصے اب تک نقل کئے گئے ہیں وہ سب ہی محبت کے کرشمے تھے، کہ محبت ہی ان حضرات کی والہانہ زندگی کا سبب تھی جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا نہ تکلیف کا خوف نہ موت سے ڈر اس کے علاوہ محبت حکایت کی چیز بھی نہیں، وہ ایک کیفیت ہے جو الفاظ و عبارات سے بالاتر ہے، محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانیکے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ و ناموس کوئی چیز ہے نہ عزت و شرافت کوئی شے، حق تعالیٰ اپنے لطف سے اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول کی محبت عطا فرمائیں تو ہر عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت،

حضرت ابوبکرؓ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف

(۱) ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ اُن کو کفار سے اذیت نہ پہنچے، اخفاء کی تلقین ہوتی تھی جب مسلمانوں کی مقدار اُنتالیس تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جاوے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اصرار پر قبول فرمالیا، اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجدِ کعبہ میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہوئے ہیں،

خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں انکی عام طور سے

عظمت اور شرافت مسلّم تھی اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا، ناک، کان سب لہولہان ہوگئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے جوتوں سے لاتوں سے مارا پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ بیہوش ہوگئے، بنو تمیم یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلہ کے لوگوں کو خبر ہوئی وہ وہاں سے اٹھا کر لائے کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وحشیانہ حملہ سے زندہ نہ بچ سکیں گے، بنو تمیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہوگئی تو ہم لوگ اُن کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے، عتبہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا، شام تک حضرت ابوبکرؓ کو بیہوشی رہی باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی، شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے مُنہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضورؐ ہی کا جذبہ اور انہی کی لے، لوگ پاس سے اُٹھ کر چلے گئے، کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپکی والدہ اُمّ خیر سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کردیں وہ کچھ تیار کرکے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا مگر حضرت ابوبکرؓ کی وہی صدا تھی کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ حضورؐ پر کیا گذری؟ ان کی والدہ نے فرمایا مجھے تو خبر نہیں کیا حال ہے، آپ نے فرمایا کہ اُمّ جمیل (حضرت عمرؓ کی بہن) کے پاس جاکر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے، وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ درخواست کو پورا کرنیکے واسطے اُمّ جمیل کے پاس گئیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال دریافت کیا وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں فرمانے لگیں، میں کیا جانوں کون محمدؐ اور کون ابوبکرؓ، تیرے بیٹے کی حالت سنکر رنج ہوا، اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں، اُمّ خیر نے قبول کرلیا اُن کے ساتھ گئیں، اور حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کرسکیں، بے تحاشا رونا شروع کردیا، کہ بدکرداروں نے کیا حال کردیا، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے کئے کی

سزا دے، حضرت ابوبکرؓ نے پھر پوچھا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ اُمّ جمیل نے حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ سُن رہی ہیں آپ نے فرمایا کہ اُن سے خوف نہ کرو تو اُمّ جمیل نے خیریت سُنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں، آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں آپ نے فرمایا مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضورؐ کی زیارت نہ کرلوں، اُن کی والدہ کو تو بیقراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں، اور انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا، اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے،

جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا تو حضرت ابوبکرؓ کو لیکر حضورؐ کی خدمت میں ارقمؓ کے گھر پہنچیں، حضرت ابوبکرؓ حضورؐ سے لپٹ گئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی لپٹ کر روئے، اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں آپ اُن کیلئے ہدایت کی دُعا بھی فرمادیں اور اُن کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل دُعا فرمائی، اُس کے بعد اُن کو اسلام کی ترغیب دی وہ اُسی وقت مسلمان ہوگئیں، (خمیس)

فائدہ: عیش و عشرت، نشاط و فرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنیوالے سینکڑوں ہوتے ہیں، محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کیوقت بھی باقی رہے،

حضرت عمرؓ کا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر رنج

(۲) حضرت عمرؓ باوجود اپنی اُس ضرب المثل قوت، شجاعت دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شہرۂ آفاق ہے، اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اخفاء گوارا نہ ہوا، حضورؐ کے ساتھ محبت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے، اپنی اس بہادری کے باوجود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے، سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں

تلوار ہاتھ میں لیکر کھڑے ہو گئے، کہ جو شخص یہ کہیگا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا ہے تو اسکی گردن اڑا دوں گا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب کے پاس تشریف لیگئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام طور پر تشریف لیگئے تھے، عنقریب حضورؐ واپس تشریف لائیں گے، اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضورؐ کے انتقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گم صم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی، چلتے پھرتے تھے، مگر بولا نہیں جاتا تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے، کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی، صرف ایک حضرت ابوبکرؓ کا دم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا، اور اپنی اُس محبت کے باوجود جو پہلے قصہ میں گذری اس وقت نہایت سکون سے تشریف لاکر اوّل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، اور باہر تشریف لاکر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، اس کے بعد خطبہ پڑھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ زندہ ہیں، اور ہمیشہ رہنے والے ہیں، اس کے بعد کلام پاک کی آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اخیر تک تلاوت فرمائی، (خمیس)، ترجمہ:۔ محمد (صلعم) نِرے رسول ہی تو ہیں، (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے، اور جو شخص اُلٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھوئے گا) اور خدا تعالیٰ شانہٗ جلدی ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو" (بیان القرآن)

فائدہ، چونکہ اللہ جل شانہٗ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا اس لئے ان کے شایانِ شان اُس وقت یہی حالت تھی، اسی وجہ سے اس وقت جس قدر استقلال اور تحمل حضرت صدیقِ اکبرؓ میں تھا کسی میں بھی نہ تھا، اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبرؓ

کو معلوم تھے، مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ منورہ میں، یا بیت المقدس میں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہو، لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اسی جگہ قبر کھودی جائے، آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سُنا کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، آپ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سُنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا متولی بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے، نیز حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قریش اس امر یعنی سلطنت کے متولی ہیں، وغیرہ وغیرہ،

ایک عورت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کیلئے بیقرار ہونا

(۳) اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہنچی، اور شہید بھی بہت سے ہوئے، مدینہ طیبہ میں یہ وحشت اثر خبر پہنچی، تو عورتیں پریشان ہو کر تحقیقِ حال کے لئے گھر سے نکل پڑیں، ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھا تو بیتابانہ پوچھا کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہو گیا، انھوں نے اِنّا للّٰہ پڑھی، اور پھر بیقراری سے حضورؐ کی خیریت دریافت کی، اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بھائی کی کہ یہ سب ہی شہید ہو گئے تھے، مگر انھوں نے پوچھا کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضورؐ بخیریت ہیں تشریف لا رہے ہیں، اس سے اطمینان نہ ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے بتا دو کہاں ہیں، لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں، یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضورؐ کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپؐ کی زیارت ہو جانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے،

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپؐ زندہ و سلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں (خمیس)

فائدہ: اس قسم کے متعدد قصے اس موقع پر پیش آئے ہیں، اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے،

حدیبیہ میں حضرت ابوبکرؓ اور مغیرہؓ کا فعل اور عام صحابہ کا طرزِ عمل

(۴) حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں ہوئی جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے، کفارِ مکہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے سے روکا جائے، اس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی، اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی، اور بڑے مجمع کیساتھ مقابلہ کی تیاری کی، ذوالحلیفہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا، جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے عسفان پر حضورؐ سے ملے، انھوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے، اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کیلئے بلا رکھا ہے، حضورؐ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے! ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے، جب وہ خبر سنیں گے تو مکہ سے واپس آجائیں گے، دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں، لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں، اس لئے آگے بڑھے چلیں، اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں، حضورؐ نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے، حدیبیہ میں پہنچ کر بدیل بن ورقاء خزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، وہ تو لڑائی پر تلے ہوئے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے، اور قریش کو روز مرہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہنچا رکھا ہے بالکل ہلاک کر دیا ہے، اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں، کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے

کہ وہ مجھ سے تعرض نہ کریں میں اُن سے تعرض نہ کروں، مجھے اور دوسرے نمٹنے دیں، اور اگر کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک اُن سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جُدا ہو جائے۔

بُدیل نے عرض کیا کہ اچھا میں آپ کا پیام اُن تک پہنچائے دیتا ہوں، وہ لوٹے اور جاکر پیام پہنچایا، مگر کفار راضی نہ ہوئے، اسی طرح طرفین سے آمد و رفت کا سلسلہ رہا، جن میں ایک مرتبہ عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے، حضورؐ نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بُدیل سے کی تھی، عروہ نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کردو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سُنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو، اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے، حضرت ابوبکر صدیق رض پاس کھڑے ہوئے تھے، یہ جملہ سُنکر غصہ میں بھر گئے، اور ارشاد فرمایا کہ تو اپنے معبود لات کی پیشاب گاہ کو چاٹ، کیا ہم حضورؐ سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکر رض ہیں، انھوں نے حضرت ابوبکر رض سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا، یہ کہہ کر عروہ پھر حضورؐ سے بات میں مشغول ہو گئے، اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضورؐ کی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ لیجاتے کہ خوشامد کے موقع پر ڈاڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے، صحابہ کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی، عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رض سر پر خود ؎ اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، انھوں نے تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو، عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

؎ لوہے کی ٹوپی ۱۲

مغیرہ، عروہ نے کہا، او غدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں، اور تیرا یہ برتاؤ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا، جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی، اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض عروہ طویل گفتگو حضورؐ سے کرتے رہے اور نظریں بچا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت انکی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جاوے وہ اس کو بدن اور مُنہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمدؐ کے مُنہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضو کا پانی لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں زمین پر نہیں گرنے دیتے، اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو دوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے مُنہ پر مل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، اُن کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر ان کے سر یا ڈاڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرّکاً اٹھا لیتے ہیں اور اسکی تعظیم اور احترام کرتے ہیں، غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبّت کرتے نہیں دیکھا، جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اُن کے ساتھ کرتی ہے،

اسی دوران میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سرداران مکّہ کے پاس بھیجا، حضرت عثمانؓ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکّہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا اس لئے اُن کو تجویز فرمایا تھا، وہ تشریف لیگئے تو صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمانؓ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہونگے، حضورؐ نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں،

چنانچہ حضرت عثمانؓ مکّہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے اُن کو اپنی پناہ میں لے لیا، اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھر، تم کو کوئی روک نہیں سکتا،

حضرت عثمانؓ ابوسفیان وغیرہ مکّہ کے سرداروں سے ملتے رہے، اور حضورؐ کا پیام پہنچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکّہ میں آئے ہو تم طواف کرتے جاؤ، انھوں نے جواب دیدیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ تو رُکے گئے ہوں اور میں طواف کرلوں، قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا مسلمانوں کو یہ خبر پہونچی کہ ان کو شہید کر دیا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی، جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمانؓ کو فوراً چھوڑ دیا (خمیس)

فائدہ، اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ارشاد حضرت مغیرہ کا مارنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمانؓ کا طواف سے انکار ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ بے انتہا عشق ومحبت کی خبر دیتا ہے، یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے "بیعۃ الشجرہ" کہلاتی ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آرہی ہے،

حضرت ابن زبیرؓ کا خون پینا

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیا کہ اس کو کہیں دبادیں وہ گئے اور آکر عرض کیا کہ دبادیا، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہاں؟ عرض کیا میں نے پی لیا حضورؐ نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے (خمیس)

فائدہ، حضورؐ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں، حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب کہ "ہلاکت ہے"، علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور امارت کی طرف اشارہ ہے کہ امارت ہوگی اور لوگ اسمیں مزاحم ہوں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب پیدا ہوئے تھے اُس وقت حضورؐ نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ایک مینڈھا ہے، بھیڑیوں کے درمیان ایسے بھیڑیئے

جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے، چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابن زبیرؓ کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے،

حضرت ابو عبیدہؓ کا خون پینا

⑥ اُحد کی لڑائی میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور یا سر مبارک میں خَود کے دو حلقے گھُس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہؓ دوڑے اور آگے بڑھ کر خَود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے، ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہؓ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ لیا، ان حلقوں کے نکلنے سے حضورؐ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد ماجد مالک بن سنانؓ نے اپنے لبوں سے اُس خون کو چوس لیا، اور نگل لیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اُس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی، (قرۃ العیون)

حضرت زید بن حارثہ کا اپنے باپ کو انکار،

⑦ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے، بنو قیس نے قافلہ کو لُوٹا جس میں زیدؓ بھی تھے، انکو مکّہ کے بازار میں لا کر بیچا، حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کیلئے اُن کو خرید لیا، جب حضورؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو انھوں نے زیدؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا، زیدؓ کے والد کو ان کے فراق کا بہت صدمہ تھا، اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبّت فطری چیز ہے، وہ زیدؓ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے، اکثر اشعار جو پڑھتے تھے اُن کا مختصر ترجمہ یہ ہے :-

"میں زید کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہی، تاکہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا، خدا کی قسم مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں،

ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہی، جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہی جب بھی اسی کی یاد مجھے ستاتی ہے، اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں، ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا، میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکّر لگانے سے نہیں اُکتاؤں گا، اُونٹ چلنے سے اُکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اُکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گذار دوں گا، ہاں میری موت ہی آگئی تو خیر، کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے، آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگا دیں، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل واولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈھتے رہیں۔"

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈھتے پھرا کرتے تھے، اتفاق سے اُن کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انھوں نے زیدؓ کو پہچانا، باپ کا حال سنایا شعر سُنائے انکی یاد و فراق کی داستان سُنائی، حضرت زیدؓ نے اُن کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے، جن کا مطلب یہ تھا کہ :-

"میں یہاں مکّہ میں ہوں خیریت سے ہوں تم غم اور صدمہ نہ کرو، میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔"

ان لوگوں نے جا کر زیدؓ کی خیر خبر اُن کے باپ کو سُنائی، اور وہ اشعار سُنائے جو زیدؓ نے کہہ کر بھیجے تھے، اور پتہ بتایا، زیدؓ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر انکو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکّہ مکرّمہ پہنچے، تحقیق کی پتہ چلایا، حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو، اور اللہ کے گھر کے پڑوسی، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو، ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں، ہم پر احسان کرو، اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو، بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو، حضورؐ نے فرمایا

کیا بات ہے؟ عرض کیا زیدؓ کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا، بس اتنی سی بات ہی، عرض کیا کہ حضورؐ بس یہی غرض ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کو بُلالو، اور اس سے پوچھ لو، اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمھاری نذر ہی اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کر سکتا، جو خود نہ جانا چاہے انھوں نے عرض کیا کہ آپ نے استحقاق سے زیادہ احسان فرمایا، یہ بات خوشی سے منظور ہی حضرت زیدؓ بلائے گئے، آپؐ نے فرمایا کہ تم اُن کو پہچانتے ہو، عرض کیا، جی ہاں پہچانتا ہوں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا، حضورؐ نے فرمایا میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہی میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے، حضرت زیدؓ نے عرض کیا حضورؐ میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں، آپؐ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی، ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو، اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں (حضورؐ کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کر سکتا، حضورؐ نے جب یہ جواب سُنا تو ان کو گود میں لے لیا، اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا، زیدؓ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے اُنکو چھوڑ کر چلے گئے (خمیس)

فائدہ: حضرت زیدؓ اس وقت بچے تھے، بچپن کی حالت میں سارے گھر کو عزیز و اقارب کو غلامی پر قربان کر دینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے،

حضرت انسؓ بن نضر کا عمل اُحد کی لڑائی میں،

(۸) اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اُڑا دی کہ حضورؐ بھی شہید ہو گئے، اس وحشتناک خبر سے جو اثر صحابہ پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہے، اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے حضرت انس بن نضرؓ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے، حضرت انسؓ نے

پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آ رہے ہیں، ان حضرات نے کہا کہ حضورؐ شہید ہو گئے، حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر حضورؐ کے بعد تم ہی زندہ رہ کر کیا کرو گے، تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ، چنانچہ حضرت انسؓ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور اُس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہو گئے (خمیس)

فائدہ: اُن کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لئے جینا تھا جب وہی نہیں رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے، چنانچہ اسی میں اپنی جان نثار کر دی،

سعد بن ربیعؓ کا پیام اُحد میں

⑨ اسی اُحد کی لڑائی میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیعؓ کا حال معلوم نہیں ہوا کیا گذری، ایک صحابی کو تلاش کے لئے بھیجا وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں، پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضورؐ نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیعؓ کی خبر لاؤں، تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی، یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سعد مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے، جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعدؓ نے کہا کہ حضورؐ کو میرا سلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اُس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو، اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضورؐ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہی یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا، یہ کہہ کر جاں بحق ہو گئے (خمیس)

فائدہ: فَجَزَاہُ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰی صَحَابِیًّا عَنْ اُمَّۃِ نَبِیِّہٖ، درحقیقت اِن جاں نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے اُن کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دیدیا، کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں دَم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شکوہ کوئی گھبراہٹ پریشانی لاحق ہو جائے، ولولہ ہے تو حضورؐ کی حفاظت کا، حضورؐ پر جاں نثاری کا، حضورؐ پر قربانی کا، کاش! مجھ سے نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جاتا،

حضورؐ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرادو، حضرت عائشہؓ نے حجرۂ شریفہ کھولا، انھوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں، اور روتے روتے انتقال فرماگئیں، رضی اللہ عنہا وارضاہا (شفا)

فائدہ، کیا اس عشق کی نظیر بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب نہ لاسکیں اور وہیں جان دیدی،

حضرت علیؓ سے حضورؐ کی محبت کیمتعلق سوال

(۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضورؐ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے، سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے، (شفا)

فائدہ، سچ فرمایا درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی، اور کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ حضرات کامل الایمان تھے اور اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے؛

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠

(ترجمہ) ”آپ اُن سے کہدیجیے“ کہ اگر تمھارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیبیاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونیکا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنیوالوں کو ان کے مقصود تک

پہنچاتا" (بیان القرآن)

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے، علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبت سے محبت اختیاری مراد ہے غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبت طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تینؔ چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے، ایکؔ یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت اُن کے ماسوٰی سب سے زیادہ ہووے، دوؔسرے یہ کہ جس سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے، تیسرےؔ یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اُس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا،

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مؤمن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اُس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا اَلْآنَ یَا عُمَرُ (اس وقت اے عمر!) علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں ایک یہ کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے، دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں، حالانکہ یہ بات اوّل ہی سے ہونا چاہئے تھی،

سہیل تستریؒ کہتے ہیں جو شخص ہر حال میں حضورؐ کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی مِلک میں سمجھے وہ سنّت کا مزہ نہیں چکھ سکتا، ایک صحابی نے آکر حضورؐ

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے انتظار ہے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں البتہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میرے دل میں ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو حضورؐ کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، کئی صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، صفوانؓ، ابو ذرؓ وغیرہ حضرات ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جس قدر خوشی اس ارشادِ مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہئے تھی، کہ حضورؐ کی محبت تو اُن کی رگ و پے میں تھی، پھر اُن کو کیوں نہ خوشی ہوتی،

حضرت فاطمہؓ کا مکان شروع میں حضورؐ سے ذرا دور تھا، ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ تمھارا مکان تو قریب ہی ہوجاتا، حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حارثہؓ کا مکان آپکے قریب ہے اُن سے فرمادیں کہ میرے مکان سے بدل لیں، حضورؐ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہوچکا ہے، اب تو شرم آتی ہے، حارثہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی، فوراً حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ فاطمہؓ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں، یہ میرے مکانات موجود ہیں ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں، جونسا پسند ہو بدل لیں، یا رسول اللہؐ میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کا ہے، یا رسول اللہؐ خدا کی قسم! جو مال آپ لیلیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اُس مال سے جو میرے پاس رہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا سچ کہتے ہو، اور برکت کی دُعا دی اور مکان بدل لیا، (طبقات)

ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپکی محبت مجھے میری جان و مال و عیال سے زیادہ ہے، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپکا خیال آجاتا ہے تو صبر نہیں آتا یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آکر زیارت نہ کرلوں، مجھے

یہ فکر ہے کہ موت تو آپؐ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہے، اس کے بعد آپؐ تو انبیاء کے درجہ میں چلے جائیں گے، تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپؐ کو نہیں دیکھ سکوں گا، حضورؐ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی ؛ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ؕ (ترجمہ) "جو شخص اللہ اور رسولؐ کا کہنا مان لیگا تو ایسے اشخاص بھی جنّت میں اُن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں، ہر ایک کے عمل کو۔"

اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے، "عشق است و ہزار بدگمانی" حضورؐ نے جواب میں یہی آیت سنائی، چنانچہ ایک صحابی حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آجاتا ہے اگر اس وقت میں آکر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے، مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہوگیا تب بھی آپ سے نیچے درجہ میں ہونگا، مجھے تو جنّت میں بھی آپ کی زیارت بغیر بڑی مشقّت ہوگی، آپؐ نے یہی آیت سنائی،

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے، حضورؐ نے فرمایا غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہؐ ایک سوچ میں ہوں، آپؐ نے دریافت فرمایا کیا سوچ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم صبح شام حاضرِ خدمت ہوتے ہیں آپؐ کی زیارت سے محظوظ ہوتے ہیں، آپؐ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں، کل کو آپؐ تو انبیاء کے درجہ پر پہنچ جائیں گے، ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہوگی، حضورؐ نے سکوت فرمایا، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے اِن انصاری کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی، ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے اشکال کیا،

حضورؐ نے یہ آیت اُنکو سُنائی، ایک حدیث میں ہے صحابہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں اس کے درجے اونچے ہونگے تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجے والے نیچے کے درجے والوں کے پاس آئیں گے ان کے پاس بیٹھیں گے بات چیت کریں گے (درِ منثور) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہونگے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور انکی یہ تمنا ہوگی کہ کاش اپنے اہل و عیال اور مال کے بدلہ میں وہ مجھے دیکھ لیتے، خالدؓ کی بیٹی عبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے حضورؐ کی یاد اور شوق و اشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین و انصار صحابہ کا نام لیکر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول و فروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور انکی طرف میرا دل کھنچا جارہا ہے، یا اللہ مجھے جلد ہی موت دیدے، کہ اُن لوگوں سے جاکر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونیکی بہ نسبت آپکے چچا ابو طالب کے مسلمان ہوجانے کی زیادہ تمنا ہے، اس لئے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی، حضرت عمر رضؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ کے چچا حضرت عباس رضؓ سے عرض کیا کہ آپکے اسلام لانیکی مجھے زیادہ خوشی ہے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اس لئے کہ آپ کا اسلام حضورؐ کو زیادہ محبوب ہے،

حضرت عمر رضؓ ایک مرتبہ حفاظتی گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی، اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی، جو اُون کو دُھنتی ہوئی اشعار پڑھ رہی تھیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیکوں کا درود پہنچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ ہوں اُن کا درود پہنچے، بیشک یا رسول اللہ آپ راتوں کو عبادت کرنیوالے تھے اور اخیر راتوں کو رونیوالے تھے، کاش مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھے ہوسکتے ہیں یا نہیں، اس لئے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے نہ معلوم میری موت کس حالت میں آوے، اور حضورؐ سے مرنیکے بعد ملنا ہوسکے یا نہ ہوسکے"، حضرت عمر رضؓ بھی یہ اشعار سُن کر رونے بیٹھ گئے،

حضرت بلالؓ کا قصہ مشہور ہے ہی کہ جب اُنکے انتقال کا وقت ہوا تو انکی بیوی جُدائی پر رنجیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ ہائے افسوس، وہ کہنے لگے سبحان اللہ! کیا مزہ کی بات ہے کل کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہ سے ملیں گے،

حضرت زیدؓ کا قصہ باب نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ جب اُنکو سُولی دی جانے لگی، تو ابو سفیان نے پوچھا کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیری بجائے (خدانخواستہ) حضورؐ کیساتھ یہ معاملہ کریں؟ تو زیدؓ نے کہا خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضورؐ اپنے دولتکدہ پر تشریف فرما ہوں اور وہاں اُنکے کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں، ابو سفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو اُن سے ہے،

تنبیہ: علماء نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کی مختلف علامات لکھی ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسویٰ پر ترجیح دیتا ہے، یہی معنی محبّت کے ہیں، ورنہ محبّت نہیں، محض دعویٔ محبّت ہے، پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبّت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپؐ کا اقتداء کرے، آپؐ کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپؐ کے اقوال و افعال کی پیروی کرے آپکے احکامات کی بجا آوری کرے، اور آپؐ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے، خوشی میں، رنج میں، تنگی میں، وسعت میں ہر حال میں آپؐ کے طریقہ پر چلے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(ترجمہ) ”آپ ان لوگوں سے کہدیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبّت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمھارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں، بڑے رحم فرمانے والے ہیں“۔

خاتمہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چند قصّے نمونہ کے طور پر لکھے گئے ہیں ورنہ انکے حالات بڑی ضخیم کتابوں میں بھی پورے نہیں ہوسکتے، اردو میں بھی متعدّد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں، کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا پھر مدرسہ کے مشاغل اور وقتی عوارض کی وجہ سے تعویق میں پڑ گیا، اِس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جاچکے ہیں وہ قابلِ انتفاع ہوجائیں،

اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حق شناسی اور انکے ادب و احترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابۂ کرام دین کی بنیاد ہیں دین کے اوّل پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کیا، اور ہم لوگوں تک پہنچایا، اس لئے اس خاتمہ میں قاضی عیاضؒ کی شفا کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے درج کرتا ہوں، اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں،

وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے حضورؐ کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرنا اور اُن کے حق کو پہچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لئے استغفار کرنا، اور دعائے مغفرت کرنا اور اُن کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرنا، اور مؤرخین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا جو اُن حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنیوالی

ہوں، اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرلے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرلے کہ وہ اس کے مستحق ہیں، اور ان حضرات کو بُرائی سے یاد نہ کرے بلکہ اُنکی خوبیاں اور اُنکے فضائل بیان کیا کرے، اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے، جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر (یعنی بُرا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں، حق تعالیٰ شانہ، کا ارشاد ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ط کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۵

(ترجمہ) "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپکے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنیوالے ہیں کبھی سجدہ کرنیوالے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی عبدیت کے آثار بوجہ تاثیر اُن کے سجدہ کے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ اُن کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں اُن کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اوّل اپنی سُوئی نکالی پھر اُس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ میں اوّل ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اس لئے یہ نشوونما دیا) تاکہ ان سے کافروں کو حسد میں جلادے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہی ہیں مغفرت

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو، اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں بھی فرق ہو جائے گا جو تفاسیر سے معلوم ہو سکتا ہے، اسی سورت میں دوسری جگہ ارشاد ہے:-

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(ترجمہ) "تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ کے ہمسفر ہیں) خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور اُن کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم) تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دیدی (مراد اس سے فتح خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے"

یہی وہ بیعت ہے جس کو "بیعت الشجرہ" کہا جاتا ہے، اخیر باب کے قصہ ۱۲ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے، صحابہ کے بارہ میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:-

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

"اُن مؤمنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسمیں سچے اترے پھر ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (یعنی شہید ہو چکے) اور بعض ان میں اس کے مشتاق (منتظر) ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا"

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:-

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

"اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب اُمت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ اُن کے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝	پہنچ رہے میں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا، وہ سب اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن

میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے"

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے صحابہ کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے، اسی طرح احادیث میں بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کا اقتداء کیا کرو، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کا اتباع کروگے ہدایت پاؤ گے، محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے، اور اسی وجہ سے قاضی عیاضؒ پر اس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے مگر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے تعددِ طرق کی وجہ سے اُن کے نزدیک قابلِ اعتبار ہو، یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کردی جاتی ہیں)۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا،

حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، انکو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص اُن سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھتا ہے، اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے، جو شخص انکو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے،

حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا،

اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت، اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ اُس کا فرض مقبول ہے نہ نفل،

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے، اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ان کو میرے صحابہ سے افضل قرار دیا،

ایوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابو بکرؓ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا، اور جس نے عمرؓ سے محبت کی اس نے دین کے واضح رستہ کو پالیا، اور جس نے عثمانؓ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا، اور جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا، جو صحابہ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی منافق سنت کا مخالف، مجھے اندیشہ ہو کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو، یہاں تک کہ ان سب کو محبوب رکھے، اور انکی طرف سے دل صاف ہو،

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابو بکرؓ سے خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو! میں عمرؓ سے علیؓ سے، عثمانؓ سے طلحہؓ سے، زبیرؓ سے، سعدؓ سے سعیدؓ سے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے، ابو عبیدہؓ سے خوش ہوں تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو، اے لوگو! اللہ جل شانہ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونیوالوں کی مغفرت فرمادی، تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو، اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں انکے نکاح میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا، ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو، جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں، اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہو کہ کسی گرفت میں آجائے، حضورؐ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کریگا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہوں گا،

ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت رکھیگا وہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ سکے گا، اور جو اُن کے بارے میں میری رعایت نہ کریگا وہ میرے پاس حوض تک نہیں آسکے گا، اور مجھے صرف دُور ہی سے دیکھے گا،

سہل بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص حضورؐ کے صحابہ کی تعظیم نہ کرے وہ حضورؐ ہی پر ایمان نہیں لایا،

اللہ جل شانہٗ اپنے لطف وفضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو تلامذہ کو اور سب مؤمنین کو محفوظ رکھے، اور ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھردے، آمین، برحمتک یا ارحم الراحمین،

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلٰی اَتْبَاعِهِمْ حَمَلَۃِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ ؕ

محمد زکریا کاندھلوی عفی عنہ

مقیم مظاہر علوم سہارنپور،

۱۲ رشوال سنہ ۱۳۵۷ھ، دوشنبہ



ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدّیق کی سیرت
اور خلافت کے حالات پر جامع کتاب

صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہٗ

(تصنیف)

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے
پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (انڈیا)

ناشر
مکتبہ رشیدیہ پاکستان چوک کراچی